عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

بانیٔ تنظیم اسلامی کا دورۂ لندن

انڈیا کے ''پیس ٹی وی'' کی طرح لندن کا ''اسلام چینل'' دنیا میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور مخالفین کی طرف سے اسلام پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا مسکت جواب دینے میں بہت اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس چینل کا دائرۂ اثر زیادہ تر یورپ اور امریکہ ہے۔ ''اسلام چینل'' کی طرف سے ہر سال لندن میں ایک دو روزہ کانفرنس منعقد ہوتی ہے جس میں دنیا بھر سے علماء اور سکالرز شرکت کرتے ہیں۔ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو گزشتہ برس اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی تھی' لیکن وہ اپنی ناسازیٔ طبع اور معالجین کی جانب سے سفر پر پابندی کی ہدایات کے باعث اس میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ تاہم ''مَـالَا یُـدْرَکُ کُـلُّـہٗ لَا یُتْـرَکُ کُلُّہٗ'' کے مصداق منتظمین کی ہدایت کے مطابق محترم ڈاکٹر صاحب نے اسلام آباد جا کر خطاب فرمایا تھا جو لندن میں ہونے والی کانفرنس میں براہِ راست سنا گیا۔ اس سال کانفرنس میں شرکت کی دعوت پھر موصول ہوئی تو محترم ڈاکٹر صاحب نے طبیعت کی خرابی کے باوجود اس میں شرکت کا فیصلہ فرما لیا اور ماہِ نومبر ۲۰۰۷ء کا آخری ہفتہ لندن میں گزارا۔ لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر ویل چیئر کی تسلسل کے ساتھ عدم دستیابی اور بعض جگہ قطار میں کھڑے رہنے کے باعث ڈاکٹر صاحب کو انجائنا کا درد محسوس ہوا۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس قدر ہمت عطا فرمائی کہ انہوں نے نہ صرف کانفرنس میں بھرپور شرکت فرمائی بلکہ اسلام چینل کے لیے چھ لیکچر بھی ریکارڈ کروائے۔ ان میں سے دو لیکچر مین آڈیٹوریم میں ہوئے جہاں تیس ہزار سے زیادہ حاضرین کی گنجائش ہے۔

محترم بانیٔ تنظیم اسلامی کا حالیہ دورۂ لندن اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس وقت اسلام کی بات تو بہت سے سکالرز کرتے ہیں اور الیکٹرانک میڈیا پر اسلامی تعلیمات کے حوالے سے پروگرام بھی پیش کیے جاتے ہیں' لیکن اکثر و بیشتر سارا زور اسلام کے مذہبی تصور پر ہوتا ہے' اسلام کو بحیثیت دین پیش نہیں کیا جاتا۔ جبکہ بانیٔ محترم کے خطابات میں اسلام کا انقلابی پروگرام سامنے آتا ہے کہ اسلام محض نماز روزہ' حج و عمرہ اور اعتکاف کا نام نہیں' بلکہ اسلام اپنا غلبہ چاہتا ہے اور اس کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد اہل ایمان پر فرض ہے۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز اس محنت و کوشش کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ oo

فهم حدیث

حدیث کی اہمیت

اور

اس کا مقام و مرتبہ

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۲۵ مئی ۲۰۰۷ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ —— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾﴾ (النور:٥٤)

﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۲﴾﴾ (التغابن:١٢) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

شریعت اسلامی کی دو بنیادیں

سب جانتے ہیں کہ ہمارے دین اسلام اور شریعت اسلامی کی دو بنیادیں ہیں، ایک کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم اور دوسری سنت رسولؐ۔ جیسا کہ ہمارے کلمۂ طیبہ کے دو حصے ہیں: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یعنی توحید اور رسالت۔ کلمۂ شہادت جو

ہمارے اسلام کی جڑ اور بنیاد ہے اس کے بھی دو حصے ہیں: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ— وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ میں فرق یہ ہے کہ کتاب اللہ وحی جلی ہے' وحی باللفظ (Verbal revelation) ہے' وحی بالمعنی نہیں ہے۔ عیسائیوں کے ہاں وحی کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وحی باللفظ (verbal) نہیں ہوتی' بلکہ صرف ایک مفہوم منتقل کر دیا جاتا ہے' اس مفہوم کو پھر رسول اپنی زبان میں ادا کرتا ہے۔ گویا الفاظ اللہ کے نہیں ہوتے۔ ہمارا تصور اس کے برعکس ہے۔ ہمارے نزدیک وحی جلی ''وحی باللفظ'' ہے' جو لفظ بلفظ اللہ کا کلام ہے۔ دوم یہ کہ وہ بالکل محفوظ ہے۔ اس کا ایک حرف تو کجا کسی ایک شوشے میں بھی کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

اس کے مقابلے میں سنت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بھی وحی ہے' مگر وہ وحی خفی پر مبنی ہے۔ اس کا بھی اشارہ اللہ کی طرف سے ہے' لیکن یہ وحی باللفظ نہیں ہے' وحی بالمعنیٰ ہے۔ یعنی مفہوم اللہ کی طرف سے آیا ہے' لیکن الفاظ اللہ کے رسولؐ کے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس کی حفاظت قرآن کی طرح کی حفاظت نہیں ہے۔ اس معنی میں تو حفاظت ہے کہ تاریخ انسانی میں صرف ایک مثال ہے کہ کسی ایک شخصیت کے اقوال اور اعمال کی صداقت اور صحت کو پرکھنے کے لیے لاکھوں انسانوں کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا گیا۔ احادیث کی جانچ پرکھ کے لیے مسلمانوں نے اسماء الرجال کا جو علم ایجاد کیا' پوری انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے سنتِ رسولؐ کی واقعتاً حفاظت کی گئی ہے۔ البتہ یہ حفاظت بالواسطہ ہوئی ہے' اس معنی میں حفاظت نہیں کہ ہر شے لفظ بلفظ محفوظ ہے' بلکہ ایسا بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک مجمع میں کچھ لوگوں نے باتیں سنیں' پھر انہوں نے جو روایت کی تو بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا۔ آج بھی آپ دیکھیں گے کہ میری کوئی بات آپ جا کر لوگوں کو بتائیں گے تو ہر شخص کے بتانے میں کچھ فرق پیدا ہو جائے گا۔ اس کی ایک بڑی مثال ''اُمُّ السُّنّۃ''' یعنی حدیث جبرائیلؑ ہے جو ''اربعین نووی'' میں دوسرے نمبر پر آئے گی۔ یہ ایک اہم اور مشہور متواتر حدیث ہے' لیکن مختلف راویوں

نے جب اسے بیان کیا ہے تو لفظی طور پر اس میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

یہ بھی جان لیجیے کہ سنت اور حدیث دو علیحدہ علیحدہ الفاظ ہیں۔ آنحضورﷺ کا تعامل اور طرزِ عمل سنت کہلاتا ہے اور حدیث اس کا ایک تحریر شدہ ریکارڈ ہے۔ سنت کو معلوم کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک حدیث اور دوسرا اُمت کا تواترِ عمل۔ آنجنابﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کرتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے آپؐ کی پیروی کی۔ صحابہ کرام کو عمل کرتے ہوئے تابعین نے دیکھا تو وہ ان کے نقشِ قدم پر چلے۔ تو اس طرح بہت سی چیزیں تواتر کے ساتھ اُمت میں منتقل ہو گئیں۔ یہ تواترِ عمل سنت کا علم حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

عام طور پر لوگ سنت اور حدیث کو مترادف سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ یہ دو مختلف الفاظ ہیں، ان کا مفہوم جدا ہے۔ یہ دونوں الفاظ، حدیث اور سنت، اللہ کے لیے بھی آئے ہیں اور رسول اللہﷺ کے لیے بھی۔ مثلاً: ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا﴾ (الفتح) ''یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے، اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے''۔ سورۂ فاطر میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا﴾ ''پس تم اللہ کے قانون میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اور تم اللہ کے قانون کو ہرگز ٹلتا ہوا نہیں دیکھو گے''۔ اسی طرح فرمایا: ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا﴾ (الاسراء) ''یہ ہمارا طریقۂ عمل رہا ہے ان انبیاء و رُسلؑ کے بارے میں جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا۔ اور آپ ہماری سنت میں کوئی تغیر نہیں پائیں گے''۔ حدیث کے بارے میں سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا﴾ ''اور تم اللہ سے بڑھ کر کسی کو حدیث (بات) میں سچا نہیں پاؤ گے''۔ اسی طرح فرمایا گیا: ﴿فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ﴾ (المرسلت) ''تم اس (قرآن) کے بعد کس حدیث پر ایمان لاؤ گے؟'' قرآن حکیم میں رسول اللہﷺ کی بات کے لیے بھی حدیث کا لفظ آیا ہے: ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا﴾ (التحریم:۳) ''اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے

لائق ہے) جب نبی کریم ﷺ نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی''۔ ان حوالوں سے پتا چلا کہ سنت کا لفظ بھی سنت اللہ اور سنت الرسول دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے اور حدیث کا لفظ بھی حدیث اللہ اور حدیث الرسول دونوں کے لیے آیا ہے۔

اصطلاح میں حدیث کسے کہتے ہیں؟ حدیث دو طرح کی چیزوں پر مشتمل ہے۔ ایک ''اخبار'' ہے جو خبر کی جمع ہے اور ایک ''آثار'' ہے جو اثر کی جمع ہے۔ خبر رسول اللہ ﷺ کے کسی قول، فعل یا تقریر کو کہتے ہیں۔ قول اور فعل کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں لیکن تقریر کے بارے میں یاد رہے کہ اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے کہ کوئی کام آنحضور ﷺ کے سامنے کیا گیا اور آپؐ نے روکا نہیں، تو اسے آپؐ کی منظوری کی ایک سند حاصل ہوگئی۔ لہٰذا آنجنابؐ کے اقوال، افعال اور تقریر اخبار کہلاتے ہیں اور کسی صحابی کے اقوال، افعال اور تقریر آثار کہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ گمانِ غالب یہی ہے کہ صحابی جو بات کہہ رہے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے، بلکہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوگی اور جس پر صحابی عمل کر رہے ہیں انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہوگا۔ ان اخبار و آثار کے مجموعہ کا نام حدیث ہے۔

حدیث نبویؐ کے دو حصے ہیں: متن اور سند۔ متن (text) یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا۔ جبکہ سند یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کس نے سنا، اُس سے کس نے سنا۔ یعنی آنجنابؐ سے صحابی، صحابی سے تابعی، تابعی سے تبع تابعی، یہ روایت کہلاتی ہے اور یہ کڑیاں (links) راوی کہلاتے ہیں۔ امام بخاریؒ جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں تو اپنی شخصیت سے لے کر نبی کریم ﷺ تک درمیان کی تمام کڑیاں بیان کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک مستند درجے کی حدیث ہوتی ہے۔ یہ کڑیاں نبی اکرم ﷺ سے لے کر محدث تک ہونی چاہئیں۔ ہمارے ہاں علماء کے اندر بھی سند چلتی ہے۔ جو لوگ دینی علوم سے فارغ التحصیل ہیں، ان کی بھی سند ہے۔ آج دینی مدارس کے جو شیخ الحدیث ہیں انہیں بھی ائمۂ حدیث سے لے کر اپنے آپ تک پورا سلسلۂ سند معلوم ہوتا ہے۔ ان تصریحات سے اندازہ کریں کہ حدیث کی خاطر کتنی محنت ہوئی ہے اور کس قدر کوشش کی

گئی ہے۔

حدیث کی سند میں جن راویوں کے نام آتے ہیں ان کے حالات کی جانچ پرکھ کی جاتی ہے۔ دیکھنا پڑتا ہے کہ کہیں کسی راوی پر جھوٹ کا الزام تو نہیں' کسی کو سوءِ حفظ کا عارضہ تو لاحق نہیں تھا۔ ہر راوی کے سیرت و کردار کو جانچا جاتا ہے۔ راویوں کے بارے میں ان معلومات کا علم ''اسماء الرجال'' کہلاتا ہے اور تاریخِ انسانی میں صرف آنحضورﷺ ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی حدیث کو جانچنے کے لیے تمام راویوں کے حالات کا بخوبی جائزہ لیا جاتا ہے۔

سند کے اعتبار سے حدیث کی چند اقسام یہ ہیں: مسند' مرفوع' مرسل' ضعیف' موضوع۔ مسند: وہ حدیث جس کی ساری کڑیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں' کہیں کوئی وقفہ نہ ہو' یعنی متصل ہو۔ مرفوع: وہ حدیث جو رسول اللہﷺ سے روایت کی جا رہی ہو۔ مرسل: وہ حدیث ہے جو ایک تابعی رسول اللہﷺ سے بیان کر رہے ہوں اور یہ نہ بتا رہے ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث کس صحابی سے سنی ہے۔ مرسل کا درجہ وہ نہیں ہے جو مرفوع کا ہے۔ ضعیف: جس میں کسی ایک راوی کا کردار معیاری نہ ہو' یا اسے سوءِ حفظ کا عارضہ ہو۔ اگر روایت کی کسی ایک کڑی میں بھی ان دونوں میں سے کوئی ایک بات ہو تو وہ حدیث ضعیف ہے۔ موضوع: جس روایت کے بارے میں محدثین کرام نے چھان بین کر کے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ یہ کوئی من گھڑت حدیث ہے' اس کی نسبت آنجنابﷺ کی جانب درست نہیں ہے' اسے موضوع کہتے ہیں۔ احادیث میں جو موضوع ہیں انہیں بھی جمع کیا گیا ہے۔ ایسی کتابوں کو ''کتاب الموضوعات'' کا نام دیا جاتا ہے۔

ضعیف احادیث کے ضمن میں یہ واضح رہے کہ کسی حدیث کے ساتھ ضعیف لکھا ہو تو اس سے ہمیں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو چھوڑ دیں' یہ تو ضعیف ہے۔ حالانکہ سند کی ایک کڑی میں بھی ضعف ہو تو حدیث ضعیف کہلاتی ہے۔ ضعیف احادیث کے اندر بھی علم و حکمت کے بڑے اعلیٰ موتی ہوتے ہیں۔ دیکھئے' ایک ہے کسی بات کا سچ ہونا' جبکہ ایک ہے سچ کا سچ ثابت ہو جانا۔ کتنے ہی سچ ایسے ہوتے ہیں جن کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ آپ

نے وکلاء سے سنا ہوگا کہ خالص سچ پر کوئی ایک مقدمہ بھی نہیں جیتا جا سکتا' کچھ نہ کچھ جھوٹ اس میں شامل کرنا پڑتا ہے۔تو سچ کا ثابت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔آپ یہ نہ سمجھیں کہ جو سچ ثابت نہ ہو سکے وہ جھوٹ ہے۔ چنانچہ ضعیف حدیث کمزور تو ہے' لیکن موضوع نہیں ہے' وہ متروک نہیں ہوگی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ ہاں اس سے کوئی حکم شرعی نہیں نکلے گا۔اس سے حلت وحرمت کے احکامات اخذ نہیں کیے جائیں گے۔اگر ہم ضعیف احادیث سے احکامات اخذ کرنا شروع کر دیں تو پھر شریعت اصل شکل میں باقی نہ رہے گی۔ضعیف احادیث فضائل کے ضمن میں قابل قبول ہیں۔ ہمارے ہاں بہت سے مصنفین اپنی کتب میں ضعیف احادیث کی صورت میں حکمت کے بڑے قیمتی موتی لائے ہیں۔

چالیس احادیث حفظ کرنے کی فضیلت

خطباتِ جمعہ کی ان نشستوں میں ہمیں ''اربعین نووی'' کا مطالعہ کرنا ہے۔اس کے آغاز سے قبل ہم چالیس احادیث حفظ کرنے کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔اس کے رواۃ میں حضرات علی' عبداللہ بن مسعود' معاذ بن جبل' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' انس بن مالک' ابوالدرداء اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم ہیں' جو سب جلیل القدر اور ثقہ صحابہ ہیں۔لیکن کہیں تابعین یا تبع تابعین کی سطح پر کوئی راوی ایسا آ گیا ہے جو قابل اعتماد نہیں' جس کا حافظہ متأثر ہے یا جس کا سیرت و کردار مشکوک ہے' لہٰذا یہ روایت ضعیف قرار پا گئی۔وہ حدیث یہ ہے:((مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا مِنْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ زُمْرَةِ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ)) ''جس شخص نے میری امت کی حفاظت کی خاطر دین کے معاملے میں چالیس احادیث حفظ کیں' اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز فقہاء اور علماء کے گروہ میں سے اٹھائے گا''۔ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:((بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیْهًا عَالِمًا)) ''اللہ تعالیٰ اسے فقیہہ اور عالم کی حیثیت سے اٹھائے گا''۔حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:((وَکُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَافِعًا وَّشَهِیْدًا)) ''اُس شخص کے حق میں قیامت

کے دن میں سفارش کرنے والا اور گواہی دینے والا ہوں گا''۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:((قِیْلَ لَهُ ادْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتَ))''اس سے کہا جائے گا کہ تم جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ''۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے:((کُتِبَ فِیْ زُمْرَةِ الْعُلَمَاءِ وَحُشِرَ فِیْ زُمْرَةِ الشُّهَدَاءِ))''اس شخص کا نام علماء کی فہرست میں لکھ لیا جائے گا' اور وہ قیامت کے روز شہداء کے ساتھ اکٹھا کیا جائے گا''۔یہ حدیث اور اس کی مختلف روایات کو امام نوویؒ نے''اربعین نووی'' کے مقدمہ میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حفاظِ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اگرچہ اس کے طرق بہت زیادہ ہیں۔یہ حدیث''کنز العمال''میں بھی ہے۔ اس مجموعۂ احادیث میں ضعیف اور صحیح دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں۔

حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے میں نے حفظ کا لفظ اس لیے برقرار رکھا ہے کہ ہمارے ہاں حفظ کا ایک عجیب تصور پایا جاتا ہے' جیسے قرآن کا حافظ ہے لیکن مفہوم نہیں سمجھتا' یہ تو نام کا حافظ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب کوئی حفظ کرتا تو وہ اس کے متن کے ساتھ ساتھ مفہوم کو بھی یاد کرتا' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ اس پر عمل بھی کرتا۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب''الاتقان فی علوم القرآن''میں روایت موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جن حضرات کا خاص شغف قرآن سے تھا' جیسے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما' وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات پڑھ لیتے تو آگے نہ بڑھتے جب تک ہمیں ان کا علم حاصل نہ ہو جاتا اور جب تک ہم اس پر عمل نہ کر لیتے۔آپ ملاحظہ فرمائیں کہ تین چیزیں جمع ہو گئیں! الفاظ ان کے حافظے میں محفوظ ہو گئے' علم ان کے ذہن میں آ گیا اور عمل ان کی سیرت کا حصہ بن گیا۔یہ تین شرائط پوری ہوں گی تو کوئی حافظ کہلانے کا مستحق ہو گا۔اب''حفظ'' کے لفظ کو مدنظر رکھ کر مذکورہ بالا حدیث کا مطالعہ کریں۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ تابعین نے سوال کیا تھا کہ آنجناب کا اخلاق کیا تھا؟ تو اُمّ المؤمنین نے فرمایا تھا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ(مسند احمد' ح ۲۳٤٦۰)

''آپؐ کا اخلاق قرآن کریم تھا۔ کیا تم قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں پڑھتے ہو: یقیناً آپؐ خلق عظیم کے حامل ہیں''۔ واضح رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شمار چوٹی کے فقہائے صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ حضراتِ تابعین جب آنحضور ﷺ کی سیرت و کردار کے بارے میں پوچھ رہے ہوں گے تو انہیں کتنی حسرت ہوگی کہ اگر ہم بھی چند سال پہلے دنیا میں آجاتے تو آنجناب ﷺ کی صحبت سے مستفید ہوجاتے۔

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دوچار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا!

قرآن وحی متلو ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے' جو الفاظ اور حروف کی شکل میں ہمارے پاس ہے اور آنجناب ﷺ قرآن مجسم تھے' قرآن حکیم ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ جب آپ قرآن کریم پڑھیں گے تو بہت سی سورتیں سیرت کے ابواب دکھائی دیں گی۔ سورۃ الانفال میں غزوۂ بدر کا تذکرہ ہے۔ سورۃ آل عمران کا ایک بہت بڑا حصہ غزوۂ اُحد پر مشتمل ہے۔ سورۃ التوبۃ کا ایک بڑا حصہ غزوۂ تبوک سے متعلق ہے۔ لہٰذا قرآن کریم کی جملہ تعلیمات کو مجسم شکل میں دیکھنا ہو تو وہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہے۔ یعنی تم قرآن حکیم پڑھو' اسی کے آئینہ میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت نظر آئے گی۔

((مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ.....)) جو حدیث بیان ہوئی ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ ضعیف ہے' لیکن اس سے اشتغال کا معاملہ دیکھیں کہ پچاس سے زائد ائمہ دین اور علماء کرام نے چالیس چالیس احادیث کے مجموعے مرتب کیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چالیس احادیث کا گلدستہ تیار کیا۔

ہم جو ''الأربعین'' پڑھیں گے' اس کے مؤلف امام نوویؒ ہیں' جن کا پورا نام یحییٰ بن شرف الدین النوویؒ ہے۔ آپ ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۷۶ھ میں فوت ہوگئے۔ گویا کل ۴۵ برس عمر پائی۔ اتنے کم عرصے میں حدیث کے سلسلے میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ انہوں نے صحیح مسلم کی شرح بھی لکھی۔ ''ریاض الصالحین'' امام نوویؒ ہی کا مرتب کردہ احادیث کا مجموعہ ہے جو نہایت مقبول ہے۔ اسی طرح تمام ''أربعین'' جو

مرتب ہوئی ہیں' ان میں مقبول ترین امام نوویؒ کی اُربعین ہے۔عربی میں کتاب کا اصل نام ''الاربعون النووية'' ہے' لیکن ہمارے ہاں فارسی ترکیب کی وجہ سے ''اربعین نوویؒ'' ہے۔

عصر حاضر کے دو عظیم فتنے

اس وقت دنیا میں دو فتنے بہت بڑے ہیں اور بدقسمتی سے ان دونوں کو بڑا فروغ حاصل ہے۔ان دونوں فتنوں کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے ہے۔ان میں سے ایک فتنہ ختم نبوت کی مہر توڑنے والا' نئی نبوت کا دعوے دار ہے' جبکہ دوسرا فتنہ انکارِ حدیث کا ہے۔کچھ عرصہ پہلے ایران میں بہاء اللہ اٹھا تھا جو نبوت کا مدعی تھا۔ بہائی آج بھی پوری دنیا میں موجود ہیں۔مسلمان ممالک میں ان کے دفاتر' لائبریریز اور ریڈنگ رومز ہیں۔مغرب میں تو بہائی بہت زیادہ ہیں۔اس کے بعد اٹھنے والا بہت بڑا فتنہ قادیانیت ہے' جسے مسلسل فروغ حاصل ہو رہا ہے۔سیٹلائٹ کے ذریعے سے پوری دنیا میں ان کے پروگرام نشر ہوتے ہیں' جسے وہ اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔پوری مغربی دنیا ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔اس فتنے کا سرغنہ غلام احمد قادیانی ہے۔اس نے انگریزوں کی خوشنودی کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کی نفی کی۔

ہندوستان میں انگریز نے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کے اندر بغاوت کے جراثیم موجود ہیں' انہوں نے ہمیں دل سے قبول نہیں کیا' اس لیے کہ ہم نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی' جبکہ ہندو تو پہلے ہی غلام تھا' پہلے مسلمان کا غلام تھا' اب انگریز کا غلام ہو گیا۔ان کے لیے تو معاملہ صرف آقاؤں کی تبدیلی کا تھا' جبکہ مسلمان حاکم سے محکوم بنائے گئے۔اس لیے مسلمانوں کے اندر جذبۂ انتقام تھا' وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا چاہتے تھے۔اس کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں نے مختلف احیائی تحریکیں برپا کیں۔حضرت سید احمد بریلویؒ کی تحریک اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے' جو اپنی اجتہادی غلطی کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ دُنیوی اعتبار سے اگرچہ وہ ناکام ہو گئے اور بالاکوٹ کے مقام پر شہادت پائی' لیکن انہوں نے جہاد کا ایک صور پھونک دیا تھا۔چنانچہ

طویل عرصہ تک اس علاقہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رہا۔ اس کے بعد کتنے ہی علماء کرام کو پھانسی دے دی گئی اور بہت سوں کو ''کالا پانی'' بھیج دیا گیا۔

علماء کرام نے ہندوستان کو ''دارالحرب'' قرار دے دیا تھا اور دارالحرب کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو دارالاسلام بنانے کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ہمیں ہندوستان میں ریشمی رومال کی تحریک نظر آتی ہے۔ یہ تحریک حضرت شیخ الہندؒ کی برپا کی ہوئی تھی جو چودھویں صدی کے مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ تحریک ایک تدبیر تھی' جو ناکامی سے دوچار ہوگئی۔ تدبیر یہ تھی کہ ایک طرف خلافت عثمانیہ سے کہا جائے کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو' دوسری طرف افغانستان کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو اور اندر سے ہم بغاوت کر دیں' تاکہ انگریز کو ہندوستان سے اٹھا کر باہر پھینک دیں۔ خلافت عثمانیہ سے مدد لینے کے لیے حضرت شیخ الہندؒ خود حجاز گئے اور مدینہ منورہ میں ترک گورنر سے ملے۔ وہ آگے بھی جانا چاہتے تھے لیکن مخبری ہونے کی بنا پر انہیں شریف حسین نے گرفتار کر کے' چاندی کی طشتری میں رکھ کر انگریز کو پیش کر دیا' کہ یہ آپ کا باغی ہے' آپ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔ اِس وقت اردن کا جو بادشاہ ہے وہ اسی شریف حسین کی نسل میں سے ہے۔ انگریز حضرت شیخ الہندؒ کو واپس ہندوستان نہیں لائے بلکہ انہیں بحیرۂ روم (Mediterraneon Sea) کے ایک جزیرہ ''مالٹا'' میں قید میں ڈال دیا۔ بقول اقبال: ؎

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

آپ چار سال وہاں قید رہے۔ جب ٹی بی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی تو پھر انہیں رہا کر دیا گیا کہ اگر یہ قید میں انتقال کر گئے تو ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے دلوں میں موجزن جذبۂ جہاد کو سرد کرنے کے لیے انگریزوں نے غلام احمد قادیانی کی نبوت کا فتنہ کھڑا کیا' جس نے جہاد و قتال کو حرام قرار دینے کا اعلان کر دیا۔

عصر حاضر کا دوسرا بڑا فتنہ انکارِ حدیث کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ اپنی تأثیر کے اعتبار سے

پہلے فتنہ سے بھی زیادہ خطرناک ہے' کیونکہ یہ زیادہ پھیل رہا ہے۔ختم نبوت کا مسئلہ اتنا واضح ہے کہ ہر مسلمان اس کو بآسانی سمجھتا ہے' لیکن فتنۂ انکار حدیث کا زیادہ ادراک و احساس نہیں ہے۔آپ جانتے ہیں کہ سرکاری سطح پر یہ طے ہے کہ قادیانی خواہ ربوائی (اصل قادیانی) ہوں یا لاہوری احمدی' دونوں دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔اس کے مقابلہ میں انکارِ حدیث کا فتنہ اندر ہی اندر دیمک کی طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔یہ لوگ قرآن کریم کو ماننے اور سمجھنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن حدیث نبویؐ کو مناسب مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہیں' ان کے لیے صرف اخلاقی تعلیمات سے متعلق احادیث قابل قبول ہیں۔حدیث شریف کو جائز مقام نہ دینے کی وجہ سے وہ قرآن حکیم کی غلط تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ان کا نظریہ ہے کہ اطاعتِ رسولؐ دائمی شے نہیں ہے' محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی صرف اپنے زمانے کے لیے واجب الاطاعت تھی۔قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴﴾ (النور)

''آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم کی۔پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا' اور اگر تم اطاعت کرو گے تو ہدایت پاجاؤ گے۔اور نہیں ہے ہمارے رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام دے رہے ہیں۔''

اسی طرح سورۃ التغابن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲﴾

''اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم کی' پھر اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر پیغام پہنچانا ہے''۔

لیکن منکرین سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ صرف اپنے دور کی حد تک

''مرکز ملت'' ہونے کی حیثیت سے مطاع تھے اور ان کا حکم ماننا جانا ضروری تھا۔ آئندہ مسلمانوں کا جو امیر یا حاکم ہوگا' وہ مرکزِ ملت ہوگا اور اس حیثیت سے اس کی اطاعت فرض ہوگی۔ یہ فتنہ بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ شریعت کی بہت ساری پابندیاں انہوں نے حدیث کو مناسب مقام نہ دینے کی وجہ سے نظر انداز کر دی ہیں۔ جیسے ان کے نزدیک پردے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک خاص دور کا کلچر تھا۔ اسی طرح قرآن کریم کی اور بہت ساری غلط تشریحات کر رہے ہیں' ترجمہ غلط کر رہے ہیں۔ عام آدمی اور جدید تعلیم یافتہ لوگ عربی سے ناواقف ہوتے ہیں' لہٰذا وہ نہیں محسوس کر سکتے کہ ترجمہ غلط کیا جا رہا ہے۔ قادیانیوں نے بھی قرآن کریم کے ترجمہ میں تحریف کی۔ آخر وہی آیتیں ہیں جنہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر ہمارے دور کے علماء کرام تک تمام لوگ پڑھتے آئے ہیں' لیکن یہ لوگ ایسی غلط تأویلیں پیش کرتے ہیں کہ عقل کو بھی اپیل نہیں کرتیں۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں کسی شخص سے متأثر ہو جاتا ہے تو اس کی ہر بات کو صحیح سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

ان لوگوں کی چند تأویلیں ملاحظہ ہوں۔ قرآن کریم میں آیا ہے کہ چور مرد ہو یا عورت' ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ کہتے ہیں کہ بالفعل ہاتھ کاٹنا مراد نہیں ہے' یہ تو مولویوں نے خواہ مخواہ غلط بات سمجھی ہے' یہ تو بڑا وحشیانہ فعل ہے' ہاتھ کاٹ دینا تو ایک محاورہ ہے۔ جیسے کبھی والدین اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ تم نے تو ہمارے ہاتھ کاٹ دیے۔ یعنی کسی معاملہ میں تم نے کوئی ایسی بات کر دی ہے کہ اب ہمارے پاس کچھ نہیں رہا' کوئی چارۂ کار نہیں' تم نے ہمیں بے بس کر دیا ہے۔ گویا تم نے ہمارے ہاتھ کاٹ دیے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا خوشحال معاشرہ پیدا کر دو کہ کسی کو چوری کی ضرورت ہی نہ ہو' بس یہ ہے ہاتھ کاٹ دینا۔ حالانکہ قرآن مجید اس کے بعد کہتا ہے: ﴿جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ﴾ (المائدۃ: ۳۸) ''بدلہ دینے کے لیے جو انہوں نے کیا (اور) عبرت ناک سزا اللہ کی طرف سے''۔ اب آپ سوچیں کہ مثالی نظام قائم کر دینا کوئی سزا ہے یا کوئی عبرت کی بات ہے؟

عجیب بات ہے کہ پنجاب نے دو غلام احمد پیدا کیے۔ ایک غلام احمد قادیانی' دوسرا غلام احمد پرویز۔ پہلے نے مہر ختم نبوت کو توڑا اور دوسرے نے حدیث اور سنت رسول ﷺ کو شریعت کی مستقل بنیاد ہونے کی حیثیت سے چیلنج کر دیا۔ جیسے قادیانیوں کو مغرب کی آشیر باد حاصل ہے ایسے ہی حدیث کی قدر و قیمت کو گھٹانے والے لوگوں کو بھی ان کی پشت پناہی حاصل ہے۔ کیونکہ تہذیبوں کے تصادم کے حوالے وہ اسلامی تہذیب کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا انحصار اکثر و بیشتر حدیث وسنت پر ہے۔ رینڈ کارپوریشن کی سفارشات میں شامل تھا کہ ایسے جدید تعلیم یافتہ لوگ جو اسلام کی ایسی تعبیریں کریں جو ہماری تہذیب کے ساتھ مماثل ہوں ان کی پشت پناہی کی جائے اور خاص طور پر انہیں الیکٹرانک میڈیا پر آنے کا بھرپور موقع دیا جائے۔ اور آج پاکستان میں بڑے پیمانے پر یہی ہو رہا ہے۔ اس اعتبار سے آج زیادہ ضرورت ہے کہ آپ حدیث نبویؐ کا مطالعہ کریں' تاکہ اس کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا ایک رشتہ مضبوط ہو جائے۔

أقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

(مرتب: حافظ محمد مشتاق ربانی)

قرآن، رُوح کی غذا
اور
موسیقی، رُوح کی سزا

ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

میں نے اپنے پچھلے مضمون (۱) میں موسیقی کا مذہب اور سائنس کی روشنی میں تجزیہ کیا تھا، لیکن اس مسئلے کے کئی پہلوؤں کا احاطہ نہیں ہوسکا تھا اور وہ تشنہ رہ گئے تھے۔ آج کے مضمون میں موسیقی اور انسانوں کے دل و دماغ پر اس کے زہر آلود اثرات کو جدید سائنس کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ نیز تلاوتِ قرآن جو روح کی اصل غذا ہے، اس کے ہمارے جسم پر اچھے اثرات کے متعلق تحقیقات پیش کی جائیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ موسیقی ہماری روح کی غذا نہیں بلکہ سزا ہے جس کے نقصانات کو سلیم الفطرت غیر مسلم مفکرین بھی سمجھتے ہیں۔ مشہور امریکی مفکر ایلن بلوم (Allan Bloom) موسیقی کو ''روح کی کچرا غذا'' (Junk Food of the Soul) قرار دیتا ہے۔ ماہر تعلیم المینکونی (Al Menconi) نے، جو کہ راک میوزک کا ماہر بھی ہے، افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسکولوں میں عیسائی بچوں کی اکثریت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں موسیقی سے زیادہ لگاؤ ہے، کیونکہ آج موسیقی ''نئی نسل کی زبان'' بن گئی ہے۔

کلاسیکل میوزک اور پاپ میوزک میں موازنہ

موسیقی کی دو بڑی اقسام ہیں: کلاسیکل موسیقی (جو کہ رفتار میں آہستہ اور اکثر افسردہ ہوتی ہے) اور پاپ میوزک (جو کہ رفتار میں تیز ہوتا ہے، مثلاً راک میوزک وغیرہ)۔ ذیل میں موسیقی

(۱) ''موسیقی: ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ''، میثاق جون ۲۰۰۶ء۔

کی ان دونوں اقسام کے معاشرے پر اثرات کے حوالے سے نکتہ وار موازنہ پیش کیا جاتا ہے:

۱) کلاسیکل موسیقی انسان کے سر کو ہلا کر خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے' جبکہ پاپ میوزک انسان کے نچلے دھڑ کو ہلا کر اُس کو جانوروں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

۲) کلاسیکل موسیقی ماں باپ کی مرضی کے خلاف اپنی پسند کی شادی کر کے اُن سے بغاوت کا درس دیتی ہے' جبکہ پاپ میوزک ماں باپ کو احمق قرار دے کر اور میوزیکل کنسرٹس اور گینگز (gangs) میں شامل ہو کر والدین سے بغاوت پر اُبھارتا ہے۔

۳) کلاسیکل موسیقی یک طرفہ محبت میں ناکام ہونے والوں کو ڈپریشن کا اتنا شکار بنا دیتی ہے کہ بندہ خودکشی تک پہنچ جاتا ہے۔ بقول اقبال:

شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار

جبکہ پاپ میوزک انسان کو جنسی بے راہ روی اور نشہ آوری میں ڈال کر خودکشی تک پہنچا دیتا ہے۔

۴) کلاسیکل موسیقی عام طور پر عورتوں کے قویٰ کو معطل کرتی ہے' جبکہ پاپ میوزک عام طور پر مَردوں میں زیادہ مقبول ہوتا ہے اور انہیں سوسائٹی کا عضوِ معطل بنا دیتا ہے۔

۵) کلاسیکل موسیقی ایک طرف جنسی جذبات کو بھڑکاتی ہے تو دوسری طرف دل میں اداسی اور کاہلی پیدا کرتی ہے' جبکہ پاپ میوزک جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے کے ساتھ ساتھ تشدد (violence) پر بھی اُبھارتا ہے۔

غرض یہ کہ موسیقی کی ان دونوں اقسام کے طریقۂ واردات میں فرق ضرور سہی لیکن نتائج اور سوسائٹی پر بُرے اثرات کے لحاظ سے کلاسیکل میوزک یا پاپ میوزک میں کچھ زیادہ فرق نہیں' کیونکہ دونوں ہی گندے چشمے سے پھوٹتے ہیں۔

موسیقی نوجوانوں کو بغاوت پر اُبھارتی ہے

ماہرینِ نفسیات کے مطابق باغی نوجوانوں میں جو خصوصیات مشترک پائی جاتی ہیں ان میں آزادی' بگڑے ہوئے طور اطوار' پڑھائی سے بے رغبتی' والدین اور بڑوں کا ادب نہ کرنا اور منشیات کا رجحان شامل ہیں۔ امریکی محقق پال کنگ (جو کہ میڈیکل ڈاکٹر ہیں) کے مطابق بلوغت کے وقت نوجوان لڑکوں میں مردانہ ہارمونز (کیمیاوی مادے جو جسم میں بنتے ہیں) کی وافر مقدار کی وجہ سے دماغ کا فیصلہ کرنے کا حصہ (Limbic System) متحرک ہو جاتا

ہے جس کی وجہ سے کچھ نوجوان تشدد پر اتر آتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سائنسی تجربات سے پتا چلا ہے کہ موسیقی سننے سے بھی دماغ کا یہی حصہ متحرک ہوتا ہے۔ (۱) بلوغت کے وقت نوجوان زندگی کے ایسے موڑ پر ہوتے ہیں جبکہ انہوں نے اپنی مستقبل کی زندگی کے لیے راہیں متعین کرنی ہوتی ہیں اور ایسے ہیجان خیز دَور میں موسیقی جیسی چیزیں انہیں اُلجھن میں ڈال دیتی ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر پال کنگ کے مطابق جب نوجوان معاشرے کی روایتی اور مذہبی اقدار سے بغاوت کرتے ہیں تو انہیں کوئی اپنے سے بلند و ارفع قوت (authority) چاہیے ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو منسوب کر سکیں اور جوان کے غلط کاموں کو شرفِ قبولیت (approval) بخش سکے۔ ایسے حالات میں پاپ میوزک ان کے غلط کاموں کو جواز فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر الیز بتھ براؤن (Elizabeth Brown) اور ڈاکٹر ولیم ہینڈی (William Hendee) نے اپنی ریسرچ میں جو جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کے ۱۹۸۹ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے' بتایا ہے کہ جدید میوزک کے اندر نوجوانوں کے لیے بغاوت' آزادی اور شہوت پرستی کا درس پایا جاتا ہے' اور راک میوزک نے نوجوانوں کے کلچر (adolescent culture) کو ہمیشہ سوسائٹی کے رائج کلچر سے علیحدہ کر کے پیش کیا ہے۔

موسیقی کا نشہ اور خودکشی

جس طرح منشیات بندے کو اتنا مایوس (depress) کر دیتی ہیں کہ وہ خودکشی بھی کر گزرتا ہے' کچھ اسی طرح کے نتائج موسیقی سے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ کچھ منشیات جسم میں ہیجان (thrill) کی سی کیفیت پیدا کرتی ہیں جیسے جسم میں بجلی کی لہر سی دوڑ جائے۔ امریکہ کی سٹین فورڈ یونیورسٹی کے سائنس دان ڈاکٹر گولڈ سٹین (Goldstein) نے مختلف لوگوں (subjects) پر سائنسی تجربات کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ موسیقی بھی منشیات کی طرح سننے والوں کے جسم میں ہیجان (thrills) کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیقی کی لہروں کے انسان پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ دماغ کی حرکت (electrical signal) کو ناپنے والے آلے (electroencephalogram) (یا EGG) سے واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ موسیقی کی یہی مسحور کن خاصیت ہے جس کے نتیجے میں کئی نوجوانوں نے خودکشی کر لی۔

(۱) بحوالہ رسالہ Post Graduate Medicine, 1988

امریکی ریاست ٹینی سی (Tennessee) کی نیشنل ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے اپنی تحقیق کا یہ نتیجہ نکالا کہ ہر سال امریکہ میں تقریباً چھ ہزار نوجوان موسیقی اور گانے بجانے کے برے اثرات سے متاثر ہوکر خودکشی کرتے ہیں۔ چند مثالیں یہاں پر درج کی جاتی ہیں:

(۱) ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو دو نوجوان لڑکوں Raymond Belknap اور James Vance نے (جن کی عمریں ۱۸ اور ۲۰ برس تھیں) گلوکار جوڈاس پریسٹ (Judas Priest) کی گانوں کی البم سننے کے بعد اپنے آپ کو گولی مار کر خودکشی کر لی۔ تفصیلات کے مطابق واردات کے دن دونوں لڑکے تمام دن جوڈاس پریسٹ کے گانے سنتے رہے اور اس کے ایک گانے جس کا عنوان تھا: Beyond the Realms of Death (موت کی حدوں سے پار) کے بول ''Do it'' (بس کر گزرو) گنگناتے رہے، پھر وہ دونوں جذبات میں آ کر گھر کے سامنے اسکول کے میدان میں چلے گئے اور Belknap نے اپنی ٹھوڑی کے نیچے پستول رکھ کر گولی چلا دی اور اسی جگہ پر ختم ہو گیا۔ پھر Vance نے بھی یہی کام کیا، لیکن اس کا پستول ٹھوڑی کے نیچے سے کچھ سرک گیا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ تباہ ہو گیا اور وہ تین سال ہسپتال میں داخل رہ کر آخر کار زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ دونوں لڑکوں کے خاندان والوں نے گلوکار جوڈاس پریسٹ کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ اس کے ایک گانے میں موجود ایک بول ''Do it'' اور اس گانے میں زندگی کے مایوس کن تصور نے ان لڑکوں کو خودکشی پر اُبھارا۔

(۲) ایک دوسرے کیس میں امریکی ریاست جارجیا میں ایک نوجوان John Mel نے مشہور امریکی پاپ سنگر اوزی آزبورن (Ozzy Osbourne) کے معروف گانے ''Suicide Solutions'' کو سن کر خودکشی کر لی۔ گانے کے چند بول ملاحظہ ہوں:

"Suicide is the only way out·····
Get the gun and try it
Shoot, shoot, shoot."

جس وقت جان کی میت پائی گئی تو اُس وقت اُس کے کانوں میں سٹیریو ہیڈفون لگے ہوئے تھے۔ لڑکے کے گھر والوں نے آزبورن اور ریکارڈ کمپنی کے خلاف عدالت میں کیس داخل کیا، کیونکہ ان کے مطابق یہی گانا اس لڑکے کی موت کا ذمہ دار تھا۔ (۱)

---

(۱) L.A.Times, 4/اکتوبر 1990ء۔

(۳) فروری ۱۹۸۶ء میں ریاست وِسکانسن کے شہر ڈیلافیلڈ میں فیلپ مارٹن (Philip Morton) نامی اٹھارہ سالہ نوجوان نے اپنے آپ کو الماری کے دروازے سے لٹکا کر خودکشی کر لی اور اُس وقت پس منظر میں گلوکار پنک فلائڈ (Pink Floyd) کی موسیقی کی البم ''The Wall'' مسلسل چل رہی تھی، جس میں ایسے گانے تھے، مثلاً: ''Goodbye Cruel World'' (الوداع ظالم دنیا) اور ''Waiting for the Worms'' (قبر میں کیڑے مکوڑوں کا انتظار)۔

(۴) ۹ جنوری ۱۹۸۸ء کو نیوجرسی ریاست کے ایک چودہ سالہ نوجوان تھامس سُلیوان (Thomas Sullivan) نے، جو کہ پاپ سنگر اوزی آزبورن کا فین تھا، اپنی ماں کو قتل کر دیا اور اپنے گھر کو آگ لگا دی اور گھر سے باہر جا کر اپنی کلائیوں کو کاٹ کر خودکشی کر لی۔ اس کے والد کی بروقت آنکھ کھلنے کی وجہ سے جان بچ گئی۔ تھامس کے والد نے پولیس کو بتایا کہ واقعہ سے پہلے پورے ایک ہفتے تھامس ایک پاپ گانا گا تا رہا تھا جس کا موضوع تھا:

"About blood and killing your mother"

(خون اور اپنی ماں کو قتل کرنے کے متعلق)۔

وہاں کے میئر نے افسوس کرتے ہوئے کہا:

''یہ واقعہ مجھے بہت پریشان کرتا ہے کہ ایک اتنا اچھا لڑکا صرف دو ہفتوں میں اتنا خراب ہو سکتا ہے''۔

موسیقی کے زہر آلود اثرات کے متعلق جو چند واقعات یہاں بیان کیے گئے ہیں، ایسے ہیں جو واقعے کی نوعیت کی وجہ سے فوراً ریکارڈ میں آ گئے۔ اس کے مقابلے میں موسیقی اور گانوں کے سب سے اہم موضوع اور پیغام یعنی ''شادی سے پہلے محبت اور جنسی بے راہ روی'' کے جو اثرات نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر ہوتے ہیں اور جس کے نتیجے میں لاکھوں نوجوان ''اخلاقی خودکشی'' کا ارتکاب کر کے اپنی پوری پوری زندگیوں کو تباہ کر دیتے ہیں، وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو حیطۂ شمار میں نہیں لایا جا سکتا۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں واشنگٹن ڈی سی میں ''Parents' Music Resource Center'' کی طرف سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں امریکہ کے سرجن جنرل (سب سے بڑا ڈاکٹر) سی ایورٹ کوپ (Dr.C.Everett Koop) نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر بتایا کہ پاپ میوزک کی زنا کاری اور بے حیائی سے گہری رشتہ داری ہے۔ اتنی بڑی شخصیت کا برملا یہ اعتراف کرنا

دراصل یہ بتاتا ہے کہ غنا اور زنا میں بڑی گہری مناسبت ہے۔ اسی لیے حدیث میں دونوں کو ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ))(۱)

''میری اُمت میں ایسے گروہ لازماً پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کے آلات کو حلال قرار دیں گے''۔

علامہ ابن جوزیؒ کے مطابق گانا روح کے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے جس طرح زنا جسم کے لیے فتنہ ہے۔ (تلبیس ابلیس)

ٹی وی اور موسیقی کی شادی۔ نتیجہ اخلاقی بربادی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو حسّیات (senses) ودیعت فرمائی ہیں اُن میں سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں سب سے طاقتور ہیں۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (الملك)

''(اے نبیؐ! ان سے) کہیے وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیے' مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو''۔

انسان کے دل کو روحانی بیماریاں لگانے کا سب سے تیز رفتار راستہ کان اور آنکھیں ہوتی ہیں۔ موسیقی اور گانے بجانے کے انسان پر اثر انداز ہونے کا بنیادی راستہ انسان کے کان ہوتے ہیں' لیکن اس کے ساتھ جب نظر کے فتنے کو بھی شامل کر دیا جائے تو اس کے خطرناک اثرات کئی گنا بڑھ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ولیم ہینڈی اور ڈاکٹر الیز بتھ براؤن' جن کا تعلق امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن سے ہے' ان کے مطابق ٹی وی اور موسیقی کو ایک ساتھ جمع کرنے (Marriage between television and music) کا نتیجہ اپنے اثرات کے اعتبار سے انتہائی طاقتور ہے۔ ایک سے زیادہ حسّیات (multisensory) کے ذریعے پیغام کو پہنچانے سے اس کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۶ء میں رسالہ ''Journalism Q'' میں شائع ہونے والی ایک تحقیق جس کا عنوان تھا: ''Media Use and Meaning of Music Video'' (میڈیا کا استعمال اور

(۱) صحيح البخاری' كتاب الاشربة' باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه۔

میوزک ویڈیو کے معانی) کے مطابق ایک گانے کے معانی اور پیغام کو ویڈیو پر دیکھ کر زیادہ اچھی طرح سمجھا اور اثر لیا گیا بہ نسبت آڈیو پر اُس گانے کے صرف سننے کے۔ ایک دوسری تحقیق میں دیکھا گیا کہ تشدد اور فحاشی کے مناظر دکھانے والی میوزک ویڈیوز کو دیکھنے کے بعد کچھ دیر کے لیے ان کو دیکھنے والے (viewers) بالکل بے حس (desensitize) ہو گئے جب ان کے سامنے کوئی تشدد یا فحاشی کا اصل واقعہ پیش آیا۔ ڈاکٹر براؤن اور ہینڈی کے مطابق پاپ میوزک کا بصری پہلو (visual dimension) ہمیشہ سے ایک طاقتور عنصر رہا ہے چاہے وہ گلوکار ایلوس پریسلے (Elvis Presley) کے نچلے دھڑ کو ہلانے کا دَور ہو (۱۹۶۰ء کی دہائی)' یا آج کے دَور میں گلوکار پرنس یا اوزی ازبورن کے میوزیکل بینڈ ہوں جو سٹیج پر بے باکانہ شرمناک حرکات کرتے ہیں۔ شاید انہی چیزوں کے پیش نظر حکومت پاکستان نے ایک علیحدہ ٹی وی چینل میوزک کے لیے وقف کر دیا ہے' تاکہ نوجوانوں کے اخلاق جلد سے جلد تباہ ہو سکیں اور مغربی دنیا کے سامنے پاکستان کا 'soft image'' پیش کیا جا سکے۔ بقول اقبال :ؔ

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل اُن کا
ان کے اندیشۂ تاریک میں قوموں کا مزار

موسیقی کے نشہ سے جان چھڑانے کی عملی تدابیر

جیسا کہ جدید سائنسی تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیقی ایک نشہ ہے' اس لیے اس کو چھوڑنے کی صورت میں بندے پر نشہ ٹوٹنے کی کیفیت (withdrawl effects) طاری ہوتی ہے' جس طرح افیون' سگریٹ' ہیروئن اور ٹی وی کا نشہ چھوڑنے پر بندے کی حالت ہوتی ہے۔ اس کے لیے تدریج کا عمل اہم ہے۔ لیکن اللہ سے دعا کر کے دل میں یہ عہد کر لینا چاہیے کہ میں نے یہ نشہ بالآخر چھوڑ دینا ہے۔ اس کے علاوہ:

(۱) اپنے گھر میں پڑی ہوئی گانوں کی تمام کیسٹیں' سی ڈیز (CDs) اور ویڈیوز کو کوڑے میں پھینک دیں' تاکہ جب ہم تنہا ہوں تو شیطان وسوسے کے ذریعے ہماری توبہ توڑنے کی کوشش نہ کر سکے۔

(۲) ہر مرتبہ جب ہم کوئی گانا سننے لگیں تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کو یاد کر لیں جو قاضی ابوبکر ابن العربی نے ''احکام القرآن'' میں حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ اور امام مالکؒ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص گانے والی لونڈی کی مجلس میں بیٹھ کر اس کا گانا سنے گا قیامت کے روز اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا''۔ (احکام القرآن)

(۳) ہر مرتبہ جب کوئی انڈین یا انگلش گانا سنیں (ہمارے ملک کے گلوکاروں اور گلوکاراؤں کا قبلہ و کعبہ ہالی ووڈ اور بالی ووڈ ہی تو ہیں) تو اُس وقت صرف ایک منٹ کے لیے اپنی اُن مسلمان بہنوں کو تصور کی آنکھ سے دیکھیں جن سے آئے دن انڈین فوجی کشمیر میں یا یورپی اور امریکی فوجی عراق میں شرمناک سلوک کرتے ہیں۔

(۴) اپنے بچوں کو موسیقی سے بالکل دُور رکھیں' کیونکہ دجال کی یہ سریلی آواز (موسیقی) بہت دلکش ہوتی ہے اور کانوں اور آنکھوں کے راستے دل کو تباہ کر کے چھوڑتی ہے۔

(۵) اللہ کی راہ میں صدقہ کریں' کیونکہ اس سے گناہ سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۝﴾ (اللیل)

''تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا' اور بھلائی کو سچ مانا اُس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے''۔

یعنی وہ جس صراطِ مستقیم پر چلنا چاہتا ہے اس پر چلنا اس کے لیے آسان کر دیں گے۔

(۶) ایسے صالحین اور نومسلموں کی زندگی سے حرارتِ ایمانی حاصل کریں جو توبہ سے پہلے نہ صرف موسیقی سنتے تھے بلکہ گانے بجانے کے فن میں امامت کے مقام پر تھے' پھر توبہ کے بعد وہ اسلام کے میدان میں امام بن گئے۔ ڈاکٹر بلال فلپس (Dr.Bilal Philips) ۱۹۷۱ء میں اسلام قبول کرنے سے پہلے کینیڈا کے شہر ٹورانٹو کے ایک نائٹ کلب میں ستار بجانے والے (guitarist) تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کچھ ماہ وہ گانا بجانا کرتے رہے' لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ یہ موسیقی اسلام کے ساتھ زیب نہیں دیتی تو انہوں نے اپنے تمام آلاتِ موسیقی (ستار' پیانو' ڈرم وغیرہ) اپنے غیر مسلم دوستوں کو دے دیے اور خود اسلامی علم کی تحصیل میں لگ گئے' حتیٰ کہ انہوں نے اصولِ فقہ اسلامی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور سعودی عرب میں کئی سال تک اسکولوں میں بچوں کو اسلامی علوم پڑھاتے رہے اور اسلام کے دقیق موضوعات (مثلاً اصولِ تفسیر' جنّات' تعدّدِ ازواج) پر کتابیں لکھیں۔ سعودی عرب میں ان کی تقاریر سن کر سینکڑوں امریکی فوجیوں نے اسلام قبول کیا۔

برطانیہ کے یوسف اسلام (سابق Cat Stevens) کا شمار پاپ موسیقی کے اماموں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا۔ ان کی میوزک کی سی ڈیز آج بھی امریکہ میں نمبر ایک شمار ہوتی ہیں' لیکن یوسف اسلام نے ۱۹۷۷ء میں اس پیشے کو خیر باد کہا اور اسلامی علوم کی تحصیل میں لگ گئے۔ آج برطانیہ میں انہوں نے بے شمار جگہوں پر اسلامی اسکول قائم کیے ہیں۔ اسی طرح کی ایک اور مثال برطانیہ کے عبدالرحیم گرین کی ہے جنہوں نے ۱۹۸۸ء میں اسلام قبول کرنے کے بعد گانے بجانے سے توبہ کی اور آج اسلام کا نور مغرب میں پھیلا رہے ہیں۔

تلاوتِ قرآن' روح کی غذا

موسیقی سن کر انسانی روح میں بے چینی پیدا ہوتی ہے' کیونکہ وہ ''کچرا غذا'' ہے جو صرف بدہضمی پیدا کرتی ہے۔ ہمارا جسمانی وجود اِس مٹی سے بنا ہے اور اسی میں اُس نے واپس جانا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾ ﴾ (طٰہٰ)

''اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے' اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔''

جبکہ ہمارا روحانی وجود آسمانی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اور اسی کی طرف اس نے واپس جانا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ ﴾ (البقرۃ)

''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔''

پس چونکہ ہمارا یہ جسمانی وجود اس دنیا سے ہے اس لیے اس کی خوراک دنیا ہی سے حاصل کی جاتی ہے' اور روح چونکہ آسمانی ہے اس لیے اس کی غذا دنیاوی آلات کی پیداوار یعنی موسیقی کبھی نہیں ہوسکتی۔ روح کی غذا صرف اور صرف قرآن ہے جو کہ آسمانی ہے۔ قرآن کی تلاوت میں دلوں کے لیے آرام اور شفا ہے۔ بالفاظِ قرآنی:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوۡرِ..... ﴾ (یونس:۵۷)

''اے لوگو! تمہارے پاس آ گئی ہے تمہارے ربّ کی طرف سے نصیحت اور دلوں (کے امراض) کی شفا.....''

اور فرمایا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد)

''خبردار رہو! دلوں کو اطمینان اللہ کو یاد کرنے سے ہوتا ہے۔''

تلاوتِ قرآن موسیقی کے زہر کا سب سے بڑا تریاق ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ خود بھی انتہائی خوش الحانی سے تلاوتِ قرآن کرتے تھے (کفارِ مکہ کے سردار راتوں کو چھپ کر آپؐ کی تلاوت سنتے تھے) اور آپؐ نے دوسروں کو بھی خوبصورت آواز میں تلاوتِ قرآن کی تلقین فرمائی:

((زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ))(۱)

''قرآن کی خوبصورت آواز سے تلاوت کرو''۔

تلاوتِ قرآن روحِ انسانی کی غذا ہونے کی وجہ سے روح کی وساطت سے جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر پاناماسٹی (Panama City) کے اکبر کلینکس میں مسلم سائنس دان ڈاکٹر احمد القاضی نے اس سلسلے میں جدید ترین میڈیکل آلات استعمال کرتے ہوئے تلاوتِ قرآن کے جسم پر اثرات کا تجزیہ کیا جس میں دل کی دھڑکن، بلڈ پریشر اور اعصاب (muscles) کا کھچاؤ شامل تھے۔ ڈاکٹر القاضی نے اس کام کے لیے رضا کاروں کے تین گروپ منتخب کیے: (i) مسلمان جو عربی جانتے تھے۔ (ii) مسلمان جو عربی نہیں جانتے تھے اور (iii) غیر مسلم جو عربی نہیں جانتے تھے۔ اس تحقیق کے نتائج یہ تھے کہ قرآن کی تلاوت سننے سے رضا کاروں کے اعصاب کا تناؤ دُور ہوا، دل کی دھڑکن آہستہ ہوئی اور بلڈ پریشر کم ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعت کی بے چینی (stress) دُور ہوئی۔ یہ نتائج مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے رضا کاروں میں یکساں دیکھے گئے چاہے وہ عربی جانتے تھے یا نہ جانتے تھے۔ مزید دلچسپ بات یہ دیکھنے میں آئی کہ قرآن کی وہ تمام آیات جن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے (آیاتِ ترغیب) ان کی تلاوت سننے سے رضا کاروں کے جسموں پر stress کم کرنے کے اثرات (مثلاً دل کی دھڑکن کم ہونا) زیادہ مرتب ہوئے (حالانکہ ان میں سے اکثریت کی زبان عربی نہ تھی) جبکہ قرآن کی عذاب کی آیات (آیاتِ ترہیب) کی تلاوت سے ان کے جسموں پر بے چینی دور کرنے کے اثرات کم مرتب ہوئے۔

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ۔

بقیہ: قرآن، رُوح کی غذا اور موسیقی، رُوح کی سزا

اسی طرح کی ایک دوسری سائنسی ریسرچ دنیا کے دوسرے خطے یعنی سوڈان میں خرطوم یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمد خیرالا رقیموسی نے اپنی پی ایچ ڈی کے دوران کی۔ اس تحقیق میں ایسے مریض شامل تھے جو بلڈ پریشر کی بیماری کا شکار تھے۔ قرآن کی تلاوت سننے سے ان سب کے بلڈ پریشر میں حیرت انگیز طور پر کمی واقع ہوئی۔ یاد رہے کہ ڈاکٹر محمد خیرالا رقیموسی عالم اسلام کے مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر مالک بدری کے شاگردِ رشید ہیں۔

یہ تمام تحقیقات ہمیں بتاتی ہیں کہ موسیقی صرف روح کی سزا ہے اور روحِ انسانی کی اصل غذا قرآن کی تلاوت اور اُس میں تفکر و تدبر ہے۔ بقول اقبال: ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!

❁❁❁

مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ

عتیق الرحمٰن صدیقی

دینِ حق کی دعوت کے جواب میں قریش مکہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے خلاف جو متعدد محاذ کھول رکھے تھے ان میں ایک محاذ کذب و افتراء اور جھوٹے پروپیگنڈے کا بھی تھا۔ نبی اکرم ﷺ کی عظمت اور صداقت و دیانت کا ادراک رکھتے ہوئے بھی وہ خود باختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپؐ کو (نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نباشد) دیوانہ اور پاگل کہنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس الزام کی تردید فرمائی اور کہا کہ اے نبیؐ! تم دیوانے نہیں ہو، بلکہ اپنے ربّ کے افضال وعنایات سے بہرہ مند ہو۔ یہ اتہام تراشنے والے جو اپنے زعم میں سیانے بنتے ہیں، ان کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا ہے جس کی بدولت یہ دیوانے اور فرزانے میں امتیاز کرنے سے قاصر ہیں۔ فرمایا:

﴿نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۚ﴿۴﴾﴾ (القلم)

''ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں۔ تم اپنے ربّ کے فضل سے کوئی دیوانے نہیں ہو۔ اور تمہارے لیے یقیناً ایک کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ اور تم ایک اعلیٰ کردار پر ہو۔''

صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں:

''یہ ہے وہ بات جس پر قلم اور کتاب کی قسم کھائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن جو کاتبین وحی کے ہاتھوں سے ثبت ہو رہا ہے، بجائے خود کفار کے اس بہتان کی تردید کے لیے کافی ہے کہ معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ مجنون ہیں۔ حضور ﷺ کے دعوائے نبوت سے پہلے تو اہل مکہ آپؐ کو اپنی قوم کا بہترین آدمی مانتے تھے اور آپؐ کی دیانت و امانت اور عقل و فراست پر اعتماد رکھتے تھے، مگر جب آپؐ نے ان کے سامنے قرآن پیش کرنا

شروع کیا تو وہ آپؐ کو دیوانہ قرار دینے لگے۔اس کے معنی یہ تھے کہ قرآن ہی ان کے نزدیک وہ سبب تھا جس کی بنا پر انہوں نے آپؐ پر دیوانگی کی تہمت لگائی' اس لیے فرمایا گیا کہ قرآن ہی اس تہمت کی تردید کے لیے کافی ثبوت ہے۔یہ اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ کلام جو ایسے بلند پایہ مضامین پر مشتمل ہے' اس کا پیش کرنا تو اس بات کی دلیل ہے کہ محمد ﷺ پر اللہ کا خاص فضل ہوا ہے' کجا کہ اسے اس امر کی دلیل بنایا جائے کہ آپؐ معاذ اللہ دیوانے ہو گئے ہیں''۔(القلم' حاشیہ۲)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو اور جس کے مزاج میں اعتدال باقی نہ رہا ہو۔اس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت ہے اور اس کا ذہن اور مزاج غایت درجہ متوازن ہے ..... وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں! ان کی یہ بے ہودگی رسول اللہ ﷺ کے لیے نہیں بلکہ خود اُن کے لیے نقصان دہ تھی کہ مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر وہ آپؐ کے متعلق ایسی بات کہہ رہے تھے جسے کوئی ذی فہم آدمی قابل تصور نہ مان سکتا تھا''۔(حاشیہ۴)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ﴿مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مشرکین مکہ حضور ﷺ کو (العیاذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے۔کوئی کہتا کہ شیطان کا اثر ہے جو یک بیک تمام قوم سے الگ ہو کر ایسی باتیں کرنے لگے ہیں جن کو کوئی نہیں مان سکتا۔ حق تعالیٰ نے اس خیالِ باطل کی تردید اور آپؐ کی تسلی فرما دی' یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل و انعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے' مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت و دانائی کی باتیں' موافق و مخالف کے دل میں اس قدر قوی تأثیر' اور اتنے بلند اور پاکیزہ اخلاق' کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ دنیا میں بہت دیوانے ہوئے ہیں اور کتنے عظیم الشان مصلحین گزرے ہیں جن کو ابتداءً قوم نے دیوانہ کہہ کر پکارا ہے' مگر قلم نے تاریخی معلومات کا جو ذخیرہ بطونِ اوراق میں جمع کیا ہے وہ ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ واقعی دیوانوں اور ان دیوانہ کہلانے والوں کے حالات میں کس قدر زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔آج آپؐ کو (العیاذ باللہ) مجنون

کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے' لیکن جس طرح تاریخ نے ان مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاء و دوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا' قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لیے روشن رکھیں گی..... آپ غمگین نہ ہوں' ان کے دیوانہ کہنے سے آپ کا اجر بڑھتا ہے اور غیر محدود فیض ہدایت بنی نوع انسان کو آپ کی ذات سے پہنچنے والا ہے..... اللہ تعالیٰ نے جن اعلیٰ اخلاق و ملکات پر آپ کو پیدا فرمایا' کیا دیوانوں میں ان اخلاق و ملکات کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ ایک دیوانے کے اقوال و افعال میں قطعاً نظم و ترتیب نہیں ہوتی' نہ اس کا کلام اس کے کاموں پر منطبق ہوتا ہے' برخلاف اس کے آپؐ کی زبان قرآن ہے اور آپ کے اعمال و اخلاق قرآن کی خاموش تفسیر۔ قرآن جس نیکی' جس خوبی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ آپ میں فطرتاً موجود' اور جس بدی و زشتی سے روکتا ہے آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

مشرکین مکہ کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ اللہ نے ایک بشر کو کیونکر ذریعۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ وہ وحی کے نزول کو لوازمِ بشریت کے منافی تصور کرتے تھے' اس طرح ایک نبیٔ اُمّی پر ایمان لانا اُن کی کوتاہ بینی کی نذر ہو رہا تھا اور وہ افتراء پردازی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ گاہے حضور ﷺ کو کاہن و شاعر کہتے اور گاہے آپؐ پر مجنون ہونے کی پھبتی کستے۔ دراصل آپ ﷺ کی زبان مبارک سے معجز نما کلام سن کر وہ ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے' ان سے جب کچھ نہ بن پڑتا تو وہ آپؐ پر اس طرح کا احمقانہ الزام عائد کرتے۔ سورۃ الحجر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾

''اور یہ لوگ کہتے ہیں: اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل ہوا ہے تو یقیناً دیوانہ ہے۔ تو اگر سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے کیوں نہیں آتا!''

ذکر کے معنی یاد دلانے' ہوشیار کرنے اور نصیحت کرنے کے ہیں۔ یہاں ذکر کا لفظ اللہ عزوجل نے اپنے کلام کے لیے اصطلاحاً استعمال فرمایا ہے۔ اس اثر انگیز کلام سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے وہ بے بنیاد لغو اور بے سروپا باتیں کرتے تھے۔ استہزاء اور استخفاف کا یہ

انداز پہلی قومیں بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کے خلاف اپناتی رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے سامنے دین کی دعوت پیش کی تو اس نے ان سے بحث و تمحیص شروع کر دی' جس کا ذکر قرآن مجید میں ایک جگہ یوں ہے:

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾﴾ (الشُّعراء)

''فرعون نے کہا: اور یہ ربّ العالمین کیا ہوتا ہے؟''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

﴿قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾﴾ (الشُّعراء)

''کہا: آسمانوں اور زمین کا ربّ اور ان سب چیزوں کا ربّ جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین لانے والے ہو۔ فرعون نے اپنے گردوپیش کے لوگوں سے کہا: کیا تم نہیں سنتے ہو؟ آپؑ نے فرمایا: تمہارا ربّ بھی اور تمہارے اُن آباء و اَجداد کا ربّ بھی جو گزر چکے ہیں۔ فرعون نے (حاضرین سے) کہا: تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں' بالکل ہی پاگل (مجنون) معلوم ہوتے ہیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ربّ العالمین کے رسول کی حیثیت سے پیش کر کے فرعونِ وقت کو وہ پیغام پہنچایا جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے' مگر وہ یہ پیغام سن کر سٹھیا گیا اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم پاگل اور دیوانے معلوم ہوتے ہو۔ سورۃ الذاریات میں بھی فرمایا گیا کہ ہم نے موسیٰؑ کو صریح معجزات اور کھلی کھلی علامات کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا' مگر بجائے اس کے کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی باتوں کو خاطر میں لاتا' وہ ہمہ مقتدر ہونے کی وجہ سے اکڑ گیا اور کہنے لگا کہ تم جادوگر یا مجنون ہو۔

﴿وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾﴾ (الذّٰریٰت)

''اور (تمہارے لیے نشانی ہے) موسیٰؑ کے قصے میں' جب ہم نے اسے صریح سند کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا۔ تو وہ اپنے بل بوتے پر اکڑ گیا اور بولا یہ جادوگر ہے یا مجنون ہے۔''

اسی سورۃ میں آگے چل کر فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝﴾ (الذّٰریٰت)

''اسی طرح ان سے پہلی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون۔ کیا یہ سب ایک دوسرے کو یہی وصیت کر گزرے ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ سب سرکش لوگ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبان سے کہلوایا:

﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ﴾ (الذّٰریٰت: ۵۰، ۵۱)

''پس دوڑو اللہ کی طرف، میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود۔''

مگر اس انذار اور انتباہ پر چوکنا ہونے کے بجائے جاہل عوام نے کہا کہ یہ پاگل ہے، اس کی مت ماری گئی ہے، بھلا مرنے کے بعد بھی دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے؟ رسالت کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی رسولوں نے توحید اور آخرت کی خبر دی، کوتاہ اندیش انسانوں نے اس کا مضحکہ اڑایا اور انبیاء علیہم السلام کو نعوذ باللہ ساحر و مجنون کے لقب سے پکارا۔ اللہ نے نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝﴾ (الطور)

''پس (اے نبی!) تم نصیحت کیے جاؤ، اپنے ربّ کے فضل سے تم نہ کاہن ہو نہ مجنون۔''

کفار اس خیال سے نبی کریم ﷺ کو ساحر و مجنون کہتے تھے تاکہ بدگمانی میں اضافہ ہو اور لوگ قیامت، حشر نشر اور جزا و سزا کی باتوں پر یقین نہ کرنے پائیں۔ اللہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ وہ ان کی پھبتیوں کو خاطر میں نہ لائیں، ان کے الزامات کی آپ سے کوئی مناسبت نہیں۔ آپؐ سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کو جھٹلایا تھا اور کہا تھا کہ یہ دیوانہ ہے۔

﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝﴾ (القمر)

''ان سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم جھٹلا چکی ہے، پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھوٹا

قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور بری طرح جھڑکا گیا۔''

قومِ نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف ان کی تکذیب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دیں' لعن طعن کی بوچھاڑ کی اور انہیں حق وصداقت کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لیے ہر اوچھا ہتھکنڈا استعمال کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں' مشرکین مکہ کا برتاؤ اسی پرانی روایت کا عکاس ہے' آپ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

سورۃ الصافات میں مشرکین کے اُخروی انجام کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾

''یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے تو یہ گھمنڈ میں آ جاتے تھے اور کہتے تھے: کیا ہم ایک شاعر مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ حالانکہ وہ حق لے کر آیا تھا اور اس نے رسولوں کی تصدیق کی تھی''۔

نبی اکرم ﷺ کوئی نئی' انوکھی اور نرالی بات نہیں کر رہے تھے۔ تمام انبیاء ورُسل علیہم السلام کی دعوت کا نکتۂ اوّلین توحید ہی تھا۔ اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ نفع ونقصان کے مالک نہیں' مخالفت کی کوئی معقول وجہ بھی نہ تھی' صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ رسول مکرم ﷺ کو شاعر ومجنون کہہ رہے تھے۔

سورۃ الدُّخان میں مجنون کا لفظ جس تناظر میں استعمال ہوا ہے وہ بھی غور وفکر کا متقاضی ہے۔ فرمایا:

﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ ﴾

''اچھا انتظار کرو اُس دن کا جب آسمان صریح دھواں لیے ہوئے آئے گا جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ہے دردناک سزا۔ (اب کہتے ہیں کہ) پروردگار! ہم پر سے عذاب ٹال دے' ہم ایمان لاتے ہیں۔ انہیں کہاں نصیحت فائدہ دیتی ہے! حالانکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس رسول مبین آ گیا' پھر بھی انہوں نے اس سے روگردانی کی اور

کہا کہ یہ سکھایا پڑھایا باؤلا ہے۔''

کتابِ مبین کے انکار اور رسولوں کی تکذیب پر جب انہیں عذاب کی وعید سنائی جاتی ہے تو وہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ لاؤ عذاب۔ اللہ فرماتا ہے کہ جب وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے تو عذاب کے ٹلنے کی دعائیں کریں گے۔ اب تو ان کی حالت یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جن کی سیرت ان کے اخلاق و کردار سے اور ان کے کارناموں سے بالکل واضح اور عیاں ہے اور انہوں نے ہر بات صاف صاف بتانے میں کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کیا' اس کے باوجود وہ ان کی طرف متوجہ ہونے اور ان کے ارشادات پر سنجیدہ غور و فکر کرنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ ''یہ تو سکھایا پڑھایا باؤلا ہے'' (العیاذ باللہ)۔ ایک آدمی جلالت شان اور حسن کردار کے اعتبار سے جس کا کوئی مثیل نہیں' وہ ان کی خیریت کا خواہاں ہے۔ جس کی باتوں میں غایت درجہ کی حکمت پنہاں ہے مگر یہ ان معقول' مدلل اور فکر انگیز تعلیمات پر ایک چلتا ہوا فقرہ کہہ کر کہ ''یہ مجنون ہے'' اڑا دیتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ جب قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے تو یہ لوگ کبھی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے اور کبھی سننے کی زحمت گوارا کرتے تو آپ کو گھورتے اور تیز نگاہوں سے دیکھتے۔ مقصد یہ تھا کہ آپؐ کے صبر و ثبات کے بندھن ٹوٹ جائیں اور ان میں تزلزل رونما ہونے لگے۔ جوشِ غضب میں آ کر آپؐ کو (معاذ اللہ) خبطی اور مجنون تک کہہ جاتے۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں' ان کی بے ہودہ باتوں پر کان نہ دھریں۔ فرمایا:

﴿وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾﴾ (القلم)

''اور یہ کافر جب یاددہانی سنتے ہیں تو اس طرح تمہیں دیکھتے ہیں گویا اپنی نگاہوں کے زور سے تمہیں پھسلا دیں گے' اور کہتے ہیں لاریب یہ ایک دیوانہ ہے' حالانکہ یہ جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔''

سورۃ التکویر میں فرمایا:

﴿وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾﴾ (التکویر)

''اور تمہارا یہ ساتھی کوئی خبطی نہیں ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

''تمہارے یہ ساتھی (محمد ﷺ) اگر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں انذار کرنے پر مأمور فرمایا ہے اور جو کچھ وہ تمہیں سنا رہے ہیں وہ اس کا کلام ہے جو اُس نے اپنے سب سے زیادہ مقرب فرشتے کے ذریعہ سے ان پر نازل فرمایا ہے' تو ان کی ان باتوں کو خبط وجنون پر محمول نہ کرو' بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔

یہاں لفظ صَاحِبُکُمْ کے استعمال میں بڑی بلاغت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تمہارے لیے کوئی اجنبی شخص نہیں ہے۔ تمہارے ہی اندر یہ پیدا ہوئے۔ تمہارے ہی ساتھ یہ رہے سہے اور تمہارے ہی اندر اِن کی اب تک کی زندگی کا ہر دور گزرا اور تم میں سے ہر شخص ان کی شرافت' رزانت' متانت' عفت' صداقت اور امانت کا گواہ رہا ہے۔ اب اگر ان کی موعظت تمہیں گراں گزر رہی ہے تو ان کے اب تک کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی باتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرو نہ کہ ان کو خبطی' دیوانہ' مجنون اور کاہن ومنجم بناڈالو''۔ (تدبر قرآن' جلد نہم)

❁❁❁

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

وارث مسیح گِل
سے
عبدالوارث تک

ازقلم: عبدالوارث، رفیق تنظیم اسلامی

تمام تعریفیں اور شکر اُس ذات کے لیے ہے جو ربّ ہے سب جہانوں کا۔ کافی دنوں سے میرے ذہن میں یہ خیال آ رہا تھا کہ اس امر کو مسلمانوں اور بالخصوص غیر مسلموں پر واضح کروں کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج میں اپنی روداد کو صفحۂ قرطاس پر اُتار رہا ہوں کہ میں نے کسی کی دعوت کے ذریعے دین اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ میں نے دین اسلام کو طویل اور گہرے تقابلی مطالعہ کے بعد قبول کیا ہے۔ مجھے جن لوگوں نے دین کی دعوت دی ان کو میرا یہی جواب رہا کہ اگر دین اسلام ہی سچا دین ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے ضرور ہدایت عطا کر دیں گے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مدد سے میری تحقیق اور تقابلی مطالعہ سے مجھ پر الحمدللہ حق منکشف ہو گیا کہ واقعی یہی مذہب افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال و میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ اس کے برعکس عیسائیت افراط و تفریط میں مبتلا ہے اور اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کی اصل تعلیمات کو مسخ کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے ترک کر دیا۔

میں ۲۰/اکتوبر ۱۹۷۹ء کو لاہور میں کریم پارک کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا اور میرے والدین نے میرا نام ''وارث مسیح گِل'' رکھا۔ میرے والد محترم برکت گِل اسی کریم پارک میں، جہاں ہماری رہائش تھی، باغبانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ میرے والد کی پہلی شادی اپنے ہی خاندان میں ہوئی، لیکن بعد میں چند وجوہات کی بنا پر یہ رشتۂ ازدواج پنپ نہ سکا، لہٰذا انہیں دوسری شادی کرنی پڑی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تین بیٹیاں اور چار بیٹے عطا

فرمائے، جن میں ایک بھائی مجھ سے چھوٹا ہے اور بقیہ تمام بہن بھائی مجھ سے بڑے اور شادی شدہ ہیں۔ چونکہ میرا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا، لہٰذا میں باقاعدہ طور پر پڑھ نہ سکا۔ بعدازاں اللہ تعالیٰ نے میری یہ کمی بھی پوری کر دی جس کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔

عیسائی مذہبی روایات کے مطابق میرے والد صاحب ہم سب بہن بھائیوں کو جمع کر کے اجتماعی عبادت کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ عبادت میں مختلف قسم کی دعائیں پڑھی جاتی ہیں، مثلاً اے ہمارے باپ! خدا کے دس احکام، رسولوں کا عقیدہ، سلام اے مریم، سات سا کرامنٹ وغیرہ۔ ان میں سے جو دعا سب سے پہلی پڑھی جاتی ہے وہ ہے: ''اے ہمارے باپ!'' بچپن میں تو اتنا شعور نہیں تھا کہ ان الفاظ کی روح کو سمجھ سکوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب شعور کو بیدار کیا تو پہلی دعا کے پہلے حروف ''اے ہمارے باپ'' نے ہی میرے اندر انتشار پیدا کر دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو باپ کیوں کہتے ہیں۔ میں نے ایک معتمد عیسائی سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے میرے اس سوال کا تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''جب مسیحؑ کے شاگردوں نے پوچھا کہ اے استاد! ہمیں بھی دعا کرنا سکھا تو مسیحؑ نے فرمایا: جب تم دعا کرو تو یوں کہو: اے باپ! تُو جو آسمان پر ہے، تیرا نام پاک مانا جائے..... یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم ہے اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کو باپ کہتے ہیں''۔ مگر ان کی تفصیلی گفتگو سے میں مطمئن نہ ہو سکا۔ خیر میں نے اسی دوران دعاؤں کے الفاظ پر غور و فکر کیا اور بائبل کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ بعدازاں ایک نیا ہی فلسفہ سامنے آ گیا، یعنی رسولوں کا عقیدہ۔ ''میں ایمان رکھتا ہوں خدا قادرِ مطلق باپ پر اور خداوند یسوع حضرت مسیح علیہ السلام پر جو کہ اس کا اکلوتا بیٹا ہے (معاذ اللہ) اور ہمارا خداوند ہے (ثم معاذ اللہ)''۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو خلافِ عقل ہونے کے ساتھ ساتھ خلافِ فطرت بھی ہے، جیسے مسیحؑ نے فرمایا کہ: ''جب تم دعا کرو تو یوں کہا کرو: اے باپ! تُو جو آسمان پر ہے''۔ یہ تعلیم اگر سب حواریوں کے لیے تھی تو مسیح ہی خدا کے اکلوتے بیٹے کیسے ہوئے؟

اسی طرح ایک اور جگہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جو صلح کرواتے ہیں وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے''۔ تورات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ''اسرائیل میرا بیٹا ہے، بلکہ پہلوٹھا ہے''۔ تو مسیحؑ نے باپ کا لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال کیا ہے نہ کہ لغوی معنوں میں۔ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج

ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اسی طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹوں پر۔ گویا مندرجہ بالا آیات اور دوسری بے شمار آیات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تمام حواریوں بشمول مسیحؑ کو بیٹا قرار دیا گیا ہے' جبکہ عیسائی عالموں کا ظلم دیکھیں کہ انہوں نے مسیحؑ کے لیے ہی لفظ بیٹا مخصوص کر دیا اور مزید برآں وہ بھی اکلوتا (معاذ اللہ)۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہ اپنی ذات میں وہ خود (یعنی مسیحؑ) خدا بھی ہیں۔

میں نے سوچا یہ عجیب معاملہ ہے کہ ایک مسئلہ حل ہونے کو تھا کہ دو اور کھڑے ہو گئے اور جب ان دو کو حل کرنے کی کوشش کی تو بیسیوں مسئلے مزید کھڑے ہو گئے! لہٰذا یہ ایسا وقت تھا کہ میں نے عیسائیت پر ایک تحقیقی مطالعہ کی ٹھان لی اور پھر مطالعہ کے دوران بہت سی چیزیں سامنے آئیں جو کہ آیات کے باہمی ٹکراؤ' خلافِ فطرت اور تضادات سے لبریز تھیں' جن میں سے چند ایک مثالیں پیش نظر ہیں۔ جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے ایک فقیہہ کے جواب میں اُس سے کہا کہ:

''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل' اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل' اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ''۔(۱)

اور ایک مقام پر مسیحؑ نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

''اور ہمیشہ کی زندگی تو یہ ہے کہ لوگ تجھے خدائے واحد اور برحق کو' اور یسوع مسیحؑ کو جسے تو نے بھیجا ہے' جانیں۔''(۲)

اسی طرح کی آیت یسعیاہ کی کتاب میں بھی ملتی ہے کہ:

''اور میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میں ہی خداوند ہوں اور میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔''

مگر مندرجہ بالا آیات کے برعکس بائبل ہی میں بے شمار جگہ پر مسیحؑ کو خدا کہا گیا۔ جیسا کہ پولوس نے کہا:

''مسیحؑ جو خدا کی صورت ہے اور ہم اپنی نہیں بلکہ مسیحؑ کی منادی کرتے ہیں کہ وہ خداوند ہے''۔(۳)

اور تو اور پولوس نے تو ایک مقام پر مسیحؑ کو بزرگ خدا (Great God) لکھا ہے۔(۴) جبکہ مسیحؑ نے پوری بائبل میں ایک مرتبہ بھی اپنے آپ کو خدا نہیں کہا۔ اور ایک جگہ مسیحؑ نے فرمایا کہ:

''یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں' منسوخ کرنے

نہیں پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائے ایک نقطہ یا ایک شوشا تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب پورا نہ ہو جائے۔''(۵)

مگر اس سے ہٹ کر پولوس کا اپنا ہی فلسفہ ہے۔ وہ کہتا ہے:

''کیونکہ جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں.....اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے وسیلے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک راست باز نہیں ٹھہرتا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ راست باز ایمان سے جیتا رہے گا.....اور شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں''۔(۶)

اس کے بعد تثلیث کے عقیدے کو لے لیں جو کہ عقل میں نہ آنے والا ہے۔ یعنی باپ' بیٹا اور روح القدس۔ یہ تینوں اپنی اپنی ذات میں خود ایسے خدا ہیں جیسا کہ مجموعہ خدا۔ عیسائیت کا یہ ایسا بے بنیاد عقیدہ ہے جس کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے: تثلیث فی التوحید' توحید فی التثلیث' جبکہ مسیحؑ نے اس عقیدے کے بارے میں کوئی واضح تعلیم نہیں دی۔ یہ وہ عقیدہ ہے جس کی بنیاد عیسائی علماء نے ہوائی باتوں پر رکھی ہے جس کا دُور دُور تک حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک مرتبہ مَیں اتوار کی عبادت میں شامل تھا تو پادری صاحب سے یہ سوال کرنے کی جرأت کی کہ یہ کیا ہے کہ بائبل کی کچھ تعلیمات (یعنی آیات) بائبل ہی کی کچھ دوسری تعلیمات (یعنی آیات) کا رد کر دیتی ہیں؟ اور مزید کچھ بائبل کے متعلق اپنے اشکالات کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ بائبل کو ضرور پڑھو اور جو سمجھ میں آ جائے اُسی پر اکتفا کرو' اگر آپ اس کو گہرائی کے ساتھ (سمجھنے کی) کوشش کرو گے تو ممکن ہے کہ گمراہ ہو جاؤ' لہٰذا جو سمجھ میں آ جائے اُسی کو غنیمت جانو' لازمی نہیں کہ اس کی ساری باتیں سمجھ میں آئیں۔ یہ بات سن کر میں آ تو گیا لیکن پادری صاحب کی باتوں سے کئی اور سوالات کھڑے ہو گئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کتاب کے ذریعے خدا کی بادشاہی تک پہنچنے کی تعلیم دی جاتی ہے اس میں غور و فکر کرنے سے انسان گمراہ ہو سکتا ہے! یہ میرے لیے کافی حیرت کی بات تھی۔

خیر میں نے مطالعہ کو جاری رکھا اور خدائے بزرگ و برتر سے ہدایت کی دعائیں بھی کرتا رہا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مطالعہ کے بعد میں نے جان لیا کہ موجودہ عیسائیت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات نہیں ہو سکتیں' کیونکہ موجودہ عیسائیت کے گمراہ کن عقائد کسی نبی کے نہیں ہو سکتے۔ اور مسیحؑ سے ان عقائد کی کوئی دلیل بھی نہیں ملتی' بلکہ ان کے برعکس دلیلیں ہی ملتی ہیں:

جیسا کہ مسیحؑ نے فرمایا:	اس کے برعکس
خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔	پولوس کہتا ہے کہ ہم اپنی نہیں مسیحؑ کی منادی کرتے ہیں کہ وہ خدا ہے۔
جو صلح کرواتے ہیں وہ خداوند کے بیٹے کہلاتے ہیں۔	عیسائیوں نے مسیحؑ کو خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دے دیا۔
مسیحؑ کی تعلیمات سے ملتا ہے کہ چوری نہ کر، زنا نہ کر، جھوٹ نہ بول، اپنے ماں باپ کی عزت کر، اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔	مگر پولوس یہ کہتا ہے کہ جو شریعت پر عمل کرتا ہے وہ لعنتی ہے۔
نجات اعمال سے ہوگی نہ کہ کفارہ سے۔	مگر پولوس کہتا ہے کہ نجات کے لیے مسیحؑ پر ایمان ہی کافی ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔
باپ کے گناہ کی سزا بیٹے کو اور بیٹے کے گناہ کی سزا باپ کو نہیں ملے گی، بلکہ جس کا گناہ اُسی کے سر۔	مگر عیسائی عالم کہتے ہیں کہ آدمؑ کا گناہ ساری بنی نوع کے سر ہے۔ (معاذ اللہ)
میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔	مگر پولوس/عیسائیت کہتا ہے کہ مسیحؑ ساری دنیا کے گناہ کا کفارہ کرنے کے لیے مصلوب ہوا۔

مندرجہ بالا اور اسی طرح کی دوسری کئی آیات کے سامنے آنے کے بعد عیسائی عقائد پر قائم رہنا اور چلنا میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہوتا چلا گیا، اور یوں عیسائیت سے کلی طور پر متنفر ہو گیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی مذہب کے بغیر زندگی گزارنا کسی صورت ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا اسی ضرورت کو مدّنظر رکھتے ہوئے میں نے دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ میں ایک مسلم معاشرے میں زندگی گزار رہا تھا تو سب سے پہلے اسی کے مطالعے کا اتفاق ہوا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے ٹیچر سے بات کی کہ میں قرآن مجید کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ میں کسی مولوی سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ مولوی صاحب نے ٹیچر سے کہا کہ وہ ایک عیسائی ہے لہٰذا قرآن کا پڑھنا تو درکنار وہ اسے چھو بھی نہیں سکتا۔ لیکن انسانی فطرت ہے

کہ اسے جس کام سے روکا جائے وہ اسے ضرور کرتا ہے' اور یہی میرے ساتھ ہوا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ عرفان مجھے اردو ترجمے والا قرآن مجید چاہیے اور کسی کو بتانا مت' کیونکہ اپنی طرف سے تو میں چوری منگوا رہا تھا' لیکن بعد ازاں معلوم ہوا کہ غیر مسلم کو بھی اُسی طرح قرآن مجید کو پڑھنے اور چھونے کا حق ہے جیسے مسلم کو' مگر پاک ہونا شرط ہے۔ کچھ ہی دنوں میں عرفان نے مجھے قرآن مجید لا دیا اور یوں میں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کر دیا۔

شروع شروع میں جب قرآن مجید پڑھتا تھا تو مجھے کچھ سمجھ نہ آتی تھی' کیونکہ تب میں بھی آج کل کے بیشتر مسلم و غیر مسلم کی طرح ''فطری'' مطالعہ کرتا تھا۔ میرے نزدیک مطالعہ بھی دو طرح کا ہے' ایک فطری اور دوسرا فکری۔ فطری مطالعہ میں ہم کسی چیز کے اصل مقصد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے کسی جبلی تقاضے کے تحت پڑھتے چلے جاتے ہیں' جبکہ فکری مطالعہ میں ہم سوچ بچار اور تردّد کرتے ہیں اور اس کی گہرائی تک پہنچنے اور اس کی روح کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے فکری مطالعہ کی توفیق دینی تھی' لہٰذا ہوا کچھ یوں کہ میں ایک جگہ کھڑا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک میری نظر مسجد کی دیوار پر لکھی ہوئی اس آیت پر پڑھی: ''اور بے شک ہم نے قرآن کریم کو بے حد آسان کر دیا' تو کوئی ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کرے؟'' یہ آیت مبارکہ پڑھتے ہی مجھے اس پادری کی بات یاد آئی جس نے یہ کہا تھا کہ ''انجیل کا گہرائی سے مطالعہ نہ کرو' وگرنہ ممکن ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ''۔ جبکہ یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ یہ وہ آیت تھی جس نے میرے اندر فکری مطالعہ کا شعور بیدار کیا۔ اس کے بعد میں نے جو بھی پڑھا اس پر خوب غور و فکر کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی۔

ساتھ ہی میں نے نماز کا ترجمہ بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ نماز کی ثناء پڑھنے پر ہی مجھے کئی سوالوں کا جواب مل گیا اور ثناء میں جس طرح سے اللہ کی شان بیان کی گئی ہے اس کی وجہ سے مجھے اس سے ایک خاص طرح کا لگاؤ ہو گیا' یہاں تک کہ میں نے تمام عیسائی عبادات ترک کر دیں سوائے ''اے ہمارے باپ'' جبکہ میں نے اس میں بھی ترمیم کر دی تھی اور میں ''اے ہمارے باپ'' کی جگہ ''اے ہمارے خدا'' کہتا تھا۔ ساتھ ساتھ دین اسلام کی کئی چیزیں تو میری سمجھ میں آ گئیں لیکن کچھ کے لیے میں نے دین دار لوگوں سے ملنا جلنا شروع کر دیا' جن میں سب سے پہلے مولانا مفتی نعیم الدین صاحب (جامعہ مدنیہ) ہیں۔ ان سے میرے ایک دوست نے شناسائی کروائی۔ یہ ایک نہایت دھیمے اور نفیس مزاج کے مالک ہیں۔ میرا تعارف

کرواتے ہوئے دوست نے کہا کہ مولانا یہ لڑکا دین کے بارے میں کچھ معلومات چاہتا ہے۔انہوں نے خوش دلی سے کہا کہ کیوں نہیں بھائی' ضرور پوچھو۔ میں نے عقائد کے بارے میں کچھ چیزیں پوچھیں اور چلتے ہوئے خواہش ظاہر کی تو انہوں نے فرمایا: بیٹا مطالعہ کے ساتھ ساتھ اللہ سے یہ دعا بھی کرتے رہنا کہ ''اے اللہ مجھے راہِ حق پر ڈال دے''۔تو ان کی یہ دعا میں نے پلے باندھ لی۔

اسی دوران مجھے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے کا شوق اُجاگر ہوا۔اس ضمن میں ایک دو کتب پسند آئیں مگر میرے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ میں ان کو خرید سکتا۔ جہاں میں کام کرتا تھا وہاں ایک مولوی صاحب تھے۔ میں نے اُن سے گزارش کی کہ اگر آپ کے پاس آپ کے نبی ﷺ کی سیرت پر کوئی کتاب ہو تو برائے مہربانی مجھے لا دیں' میں اسے مطالعہ کے بعد واپس کر دوں گا۔انہوں نے بغیر کچھ کہے سیرت محمد ﷺ کی کتاب مجھے لا دی' جو تقریباً ایک ماہ میرے زیرِ مطالعہ رہی۔ یہ کتاب آپ ﷺ اور آپ کے مقصدِ حیات کو سمجھنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے مطالعہ کے بعد وہ تمام تر باطل نظریات میرے ذہن سے رفع ہو گئے جو عیسائی رہنماؤں اور Missionaries کے ذریعے ہمارے ذہنوں پر نبی ﷺ کے خلاف نقش کیے جاتے ہیں اور یوں میرا دل آئینے کی طرح صاف ہو گیا۔ مطالعہ کے دوران میرے دل و دماغ نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے ایک زاہد و عابد بندے اور رسول ہیں۔

''مسیحؑ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والے' اس عقیدے کی دلیل میں ہمیں کچھ آیات پڑھائی جاتی تھیں جو بار بار ذہن میں گردش کر رہی تھیں اور الجھن کا باعث بن رہی تھیں۔ مثلاً: ''جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو' جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں''۔(۷)

اور اسی طرح: ''خبردار! کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے' کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے کہ میں مسیح ہوں' اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے''۔(۸)

مسیحؑ کے آخری نبی ہونے کی دلیل میں استعمال ہونے والی یہ وہ دو بڑی اہم آیات ہیں جو عیسائی حضرات پیش کرتے ہیں۔لیکن ان پر غور و فکر کا حاصل یہ نکلا کہ مسیحؑ نے تو جھوٹے نبیوں سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ مسیحؑ کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق تھوڑے ہی عرصے کے

بعد کچھ لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ بھی کر دیا۔ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ دو آیات نبوت کے خاتمے پر دلالت کرتی ہیں تو کیا اگبس جھوٹا نبی تھا' جس کے مسیحؑ کے بعد بطور نبی مبعوث ہونے کی تصدیق خود انجیل کر رہی ہے:

''اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا' اس نے ہمارے پاس آ کر پولوس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا کہ روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمر بند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے حوالے کریں گے۔'' (۹)

اب یا تو عیسائی اس آیت کا انکار کریں یا پھر مسیحؑ کے مذکورہ بالا قول کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پر عمل پیرا بھی ہوں۔ درحقیقت جو ہمیں سنایا جاتا ہے وہ بائبل میں نہیں اور جو بائبل میں ہے وہ ہمیں سمجھایا نہیں جاتا۔

اسی دوران میری ملاقات شاہین بھائی سے ہوئی جو صاحبِ علم و باعمل انسان ہیں۔ انہوں نے میری جستجوءِ حق کو مدّنظر رکھتے ہوئے مجھے دو کتابیں دیں جو الحمدللہ میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ میرا زیادہ وقت اب مطالعہ ہی میں گزرنے لگا اور وہ بھی گھر میں' تو اکثر اوقات والد صاحب مجھے اسلامی کتب کا مطالعہ کرنے سے منع کرتے اور تلقین کرتے کہ انجیل کا ہی مطالعہ کیا کرو اگر سچائی کے متلاشی ہو' کیونکہ یہی وہ واحد کتاب ہے جو سرچشمۂ ہدایت ہے۔ میں ابو جان سے کہتا تھا کہ میں نے تورات' زبور اور انجیل کا مطالعہ تو کر ہی لیا ہے' مگر ہمیں دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو بھی جاننا چاہیے۔ ویسے بھی میرے گھر اور خاندان والوں کو میرے بدلتے ہوئے رنگ ڈھنگ سے کسی انقلاب کی آہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے مجھے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر تم مسیحؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے تو کوئی بات نہیں' نبی ہی مان لو۔ دراصل وہ میری توجہ کو عیسائیت تک محدود رکھنا چاہتے تھے جبکہ یہ عقیدہ دائرۂ عیسائیت سے خارج کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا یہی عقیدہ تھا کہ مسیحؑ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے دل کو اطمینان بخشا تھا کہ دین تو صرف اسلام ہے' لہٰذا اس کو سمجھنے کے لیے خوب ذرائع بھی پیدا فرما دیے۔ میں نے بہت کم لوگ ایسے دیکھے ہیں جنہوں نے اسلام کو جتنا پڑھا ہوا اتنا عمل بھی کر رہے ہوں۔ بابر انعام وارث بھائی بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہیں جن سے میں نے ایک کلیہ سیکھا جس کے بارے میں انہوں نے بتایا

کہ اگر تمہیں یہ کلیہ سمجھ میں آ گیا تو عیسائیت اور اسلام کا موازنہ نہایت آسان ہو جائے گا۔ انہوں نے سورۃ الاخلاص کا ترجمہ سنایا:

''کہو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں (یعنی اُس جیسا کوئی نہیں)۔''

انہوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا سانچہ ہے کہ اس میں اگر کوئی شخص بھی اتر آئے تو میں اس کو خدا ماننے کے لیے تیار ہوں۔ اور اگر وہ اس سانچے پر پورا نہیں اترتا تو سمجھ لو کہ وہ خدا نہیں بلکہ خدا کی مخلوق ہے اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتی۔ چونکہ بابر بھائی دوبئ میں ہوتے تھے اس لیے ملاقات تو ایک ہی بار ہوئی مگر بذریعہ فون اُنہوں نے مجھے کافی معلومات مہیا کیں۔ ایک بار بابر بھائی سے میں نے چند اشکالات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے مجھے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ملنے کا مشورہ دیا اور کہا اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ ان سے ملاقات آپ کے اشکالات دور کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کو میں ٹی وی پر دیکھ تو چکا تھا مگر یہ نہ جانتا تھا کہ جن کا تذکرہ ہو رہا ہے یہ وہی شخصیت ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا اتوار کو درس قرآن کا سلسلہ چل رہا تھا' ایک اتوار میں نے ان کا درس قرآن بمقام قرآن کالج آڈیٹوریم سنا اور بعد ازاں قرآن اکیڈمی جا پہنچا۔ وہاں جا کر میں نے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو مجھ سے کہا گیا کہ آج تو ممکن نہیں ہے' کیونکہ آپ نے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا ٹائم نہیں لیا اور آج ڈاکٹر صاحب کے کچھ مہمان بھی آئے ہوئے ہیں۔ تب میں نے متعلقہ عملے سے کھل کر بات کی کہ میں ایک عیسائی ہوں اور اسلام کے بارے میں کچھ معلومات چاہتا ہوں' اسی لیے ڈاکٹر صاحب سے ملنے کا خواہاں ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کے علم میں ان باتوں کے آنے پر انہوں نے مجھے فوراً بلا لیا۔

میرے حاضر ہوتے ہی مہمانوں سے گفتگو کا سلسلہ ختم کر کے ڈاکٹر صاحب میری طرف ہمہ تن گوش ہوئے اور فرمانے لگے: برخوردار! کیا نام ہے اور کیا کرتے ہو؟ میں نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ میں پچھلے تین سال سے اسلام اور عیسائیت کا مطالعہ کر رہا ہوں' لیکن اب بھی کچھ ایسی الجھنیں ہیں جن کی بنا پر دو کشتیوں کا سوار ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے نظریات کو جانتے ہوئے پوچھا کہ خدا کے بارے میں تمہارا کیا تصور ہے کہ وہ کتنے ہیں؟ میں نے جواب دیا وہی جو ہر سلیم الفطرت انسان کا ہوتا ہے کہ ایک' اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تب ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ وہ اللہ کے نبی ہیں یا بیٹے؟ جیسا کہ عیسائی عقیدہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور نبی تھے جیسا کہ اُن کی تعلیمات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ محمد عربی ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ تو میں نے بتایا کہ میں آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کر چکا ہوں اور اس دوران آپ ﷺ سے عجیب سا تعلق قائم ہو گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ وہ جو عیسائی آپ ﷺ کے بارے میں نظریات رکھتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے بڑے مطمئن انداز سے کہا کہ بھائی تم تو مسلمان ہو، بس زبان سے اقرار کرنا (یعنی کلمہ) باقی ہے، پھر کیا بات ہے جس نے تمہیں اب تک اقراراً مسلمان ہونے سے روکے رکھا ہے؟ میں نے بتایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، مگر جس طرح ہر آنے والے نبی کی پیشین گوئیاں سابقہ کتب میں دی جاتی رہی ہیں تو کیا محمد ﷺ کی کوئی پیشین گوئی انجیل میں بھی ملتی ہے؟ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ایک نہیں، بیسیوں، اور صرف انجیل میں ہی نہیں بلکہ تورات، زبور میں بھی ملتی ہیں۔ یہ فرماتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی الماری سے بائبل کا ایک نسخہ نکالا اور اس کا ایک صفحہ کھول کر میرے سامنے رکھ دیا اور فرمانے لگے، خود ہی پڑھ لو۔ اس میں لکھا تھا:

''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے، یعنی سچائی کا روح''..... (یوحنا: باب ۱۴، آیت ۱۵)

اور اسی طرح یوحنا: باب ۱۴، آیت ۲۵ میں ہے:

''(لیکن فارقلیط) یعنی روح القدس جسے باپ تیرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب یاد دلائے گا''۔

اور اسی طرح یوحنا: باب ۱۵، آیت ۲۶ میں ہے:

''لیکن جب وہ (فارقلیط) آئے جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو''۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا یہی نہیں بلکہ یوحنا: باب ۱۶، آیت ۷ میں تو اتنا واضح طور پر ہے کہ:

''لیکن تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ میں اگر نہ

جاؤں تو وہ (فارقلیط) نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ، راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر دیکھ نہ سکو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے، مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا کہ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا''۔(۱۰)

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ اگر آپ کو عہد نامہ قدیم سے بھی کچھ حوالہ جات درکار ہوں تو وہ بھی مل سکتے ہیں یا آپ مطالعہ کے لیے ہماری لائبریری سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں جہاں آپ کو عیسائیت کے متعلق کافی مواد مل جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی کا یہ ایک بڑا ہی اہم دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا موقع عطا فرمایا۔ ان تمام حوالہ جات کو نوٹ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور اجازت چاہی، جس پر جاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: برخوردار مطالعہ کے ساتھ ساتھ اللہ سے ہدایت کی دعا بھی ضرور کرتے رہنا۔ لہٰذا میں نے گھر آ کر ان آیات پر خوب غور وفکر کیا اور کچھ پادری صاحبان سے بھی ان آیات کے بارے میں بات چیت کی، لیکن ان کی طرف سے وہی فلسفیانہ باتیں سامنے آئیں کہ یہ تمام آیات روح القدس کے بارے میں ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ روح القدس کے بارے میں کیونکر ہو سکتی ہیں جبکہ بائبل بزبانِ خود کہتی ہے کہ ''اُس وقت روح یسوع کو جنگل میں لے گیا تا کہ ابلیس سے آزمایا جائے''۔(۱۱) مزید:

''اُس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اترتے ہوئے دیکھا''۔

''اور وہ سب روح سے معمور ہو گئے''۔

یہ سب حوالے مسیح علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے دور کے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیحؑ کی زندگی میں بھی روح القدس موجود تھا، پھر مسیحؑ نے کیونکر کہا کہ ''میرا جانا ضروری ہے، کیونکہ اگر میں نہ گیا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا''۔ یہاں یہی کہنا بہتر ہوگا کہ یا تو عیسائی علماء

سچ کو چھپاتے ہیں یا پھر سچ اُن پر بھی واضح نہیں، مگر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔

اس دوران میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دروسِ قرآن میں شرکت کا سلسلہ جاری رکھا اور ڈاکٹر صاحب کی بہت سی کتب، سی ڈیز اور کیسٹس سے استفادہ کیا۔ میں اگر یہ کہوں کہ میں نے اسلام کی روح کو اگر کسی سے سمجھا ہے تو ڈاکٹر اسرار صاحب سے، تو یہ ہرگز غلط نہ ہوگا۔ اس کے باوجود جو چیزیں مجھے اسلام قبول کرنے سے روکے ہوئے تھیں ان میں ایک تو مسلم معاشرہ تھا۔ کیونکہ میں نے جو پڑھا تھا وہ تو اسلام تھا مگر ہمارے معاشرے میں مسلمان ہیں نہ کہ اسلام۔ تو اس تضاد کا بہت برا اثر پڑتا ہے، خاص طور پر غیر مسلموں پر۔ خیر اللہ تعالیٰ نے یہ بات دل میں ڈال دی کہ یہ مسلمانوں کی بے عملی کا مظہر ہے نہ کہ تعلیم اسلام کا۔ دین اسلام نے تو ایک راستہ بتا دیا، جو اس راستے پر چلے گا کامیابی تو اُسی کے لیے ہے، اور جس نے فرار اختیار کیا وہ ناکام ٹھہرے گا اور آخرت میں اللہ کے حضور جواب دہ ہوگا۔ یعنی حجت قرآن وسنت ہے نہ کہ مسلمان۔ میری غیر مسلموں سے اور بالخصوص اپنے عیسائی بھائیوں سے بھی گزارش ہے کہ اگر وہ دین اسلام کے بارے میں اشکالات کو دور کرنا چاہتے ہیں، تو براہِ راست قرآن وسنت کا مطالعہ کریں، نہ کہ تمام دنیادار، بے عمل مسلمانوں کا کردار دیکھیں۔

شعوری عمر سے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گھر کی ذمہ داریاں نبھانے میں پیش پیش رہا۔ کبھی دل میں اسلام قبول کرنے کا خیال آتا تو ساتھ یہ فکر لاحق ہو جاتی کہ اگر میرے گھر والوں نے ترکِ عیسائیت پر مجھے گھر سے نکال دیا تو کس دیار میں پناہ لوں گا اور میرے بعد میرے گھر والوں کا، جن کی ۷۵ فیصد ذمہ داریاں مجھ پر ہیں، کیا بنے گا؟ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی خوب دعائیں کیا کرتا تھا اور والدین کے لیے کچھ کرنے کی جستجو میں لگا رہتا تھا، تاکہ کسی موڑ پر اُن سے جدائی کی صورت میں انہیں کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس وجہ سے میں بیرونِ ملک جانے کا خواہش مند تھا۔ اسی مقصد کے تحت میں نے بابر بھائی (جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے) سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ میں آپ کو دوبئ بلانے کے لیے کچھ کرتا ہوں۔ انہی دنوں میری منگنی بھی ہونے جا رہی تھی جو کہ میری ہی پسند کی لڑکی سے ہونا طے پائی تھی، جبکہ میں عیسائیت سے بہت دور جا چکا تھا۔ میں نے اپنے محاسبے کے بعد خود کو دو کشتیوں کا سوار پایا، یعنی عیسائی ہونے کے باوجود میں مسلمان تھا۔ رہ رہ کر دل میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر منگنی ہوگئی اور میں نے اسلام کو بھی بطورِ حق قبول کر لیا تو بڑی پریشانی کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ان

تمام حالات و واقعات سے بابر بھائی بھی خوب آشنا تھے۔ انہوں نے تمام اخراجات خود برداشت کرتے ہوئے' جو کہ میں آج تک واپس نہیں کر سکا' مجھے دوبئ بلا لیا۔ اگرچہ دوبئ میں یورپی کلچر کا سامنا کرنا پڑا' لیکن بابر بھائی کے ہاں جو دینی ماحول ملا اس کے اثرات آج تک باقی ہیں۔ ایک ہفتے میں تین درس قرآن ہوا کرتے تھے۔ ہم صبح وشام ڈاکٹر اسرار صاحب و دیگر علمائے کرام کے مختلف موضوعات پر بیانات سنا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا مکمل ''بیان القرآن'' بھی وہیں سننے کا موقع میسر آیا۔

بابر بھائی نے مجھے کبھی بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا' بلکہ ہمیشہ یہی کہا کہ اپنے اشکالات اور شکوک وشبہات کا بلا جھجک اظہار کرو اور میری بحیثیت مسلمان یہ ذمہ داری ہے کہ میں تمہارے تمام اشکالات کا ازالہ کرنے کی کوشش کروں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے تحمل کے ساتھ' بطریق احسن اس ذمہ داری کو ادا کیا' مجھے خود مطالعہ کرنے کا موقع فراہم کیا اور ہر قسم کی سہولت مہیا کی۔ اس دوران الحمدللہ مجھے ''اسلام اللہ کا دین'' اور ''محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی'' ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہا۔ مگر ایک ہی فکر تھی کہ گھر والوں کے لیے کچھ کرلوں کہ اگر وہ مجھے گھر سے نکال بھی دیں تو کم از کم میرے والدین اور بہن بھائی کسی احسان کے بدلے مجھے یاد تو رکھیں گے۔ ساتھ ساتھ یہ دھڑکا بھی لگا رہتا تھا کہ اس حق کو جان لینے کے بعد کہ اللہ ایک ہے' محمد ﷺ اللہ کے آخری پیارے نبی ہیں' قرآن مجید اللہ کی الہامی کتاب ہے' اس کا اقرار نہ کیا اور موت آ گئی تو اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ کچھ دن اسی کیفیت میں گزر گئے۔ ایک دن میں نے اپنی نماز میں دعا کی: اے اللہ! اگر اسلام ہی سچا دین ہے تو میں صبح ہی اسے قبول کرلوں گا اور اگر اس میں کوئی ایسی چیز ہے جس سے میں فریب کھا رہا ہوں تو وہ مجھ پر واضح کر دے۔ یہ دعا کر کے میں سو گیا اور پکا ارادہ کر لیا کہ اس دعا کے عین مطابق ہی کروں گا۔ صبح میں اٹھا تو عجیب سی خوشی طاری تھی' دل ہر طرح سے مطمئن تھا۔ بابر بھائی جمعہ کی تیاری کر رہے تھے۔ تب میں نے آخری مرتبہ اپنی نماز پڑھی اور نماز میں اللہ تعالیٰ سے گزارش کی کہ جو میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا' اس کی پاسداری کی توفیق عطا فرما۔ دعا سے فارغ ہوتے ہی میں نے بابر بھائی سے نہایت فخر اور پروقار انداز سے کہا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر بابر بھائی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ اس پر بابر بھائی نے مجھے وضو کروایا اور جائے نماز پر بٹھا کر کہا: پڑھو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ' لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ یوں میں کفر کے اندھیروں سے نکل کر

مشرف باسلام ہوا۔ بابر بھائی نے مجھے گلے لگا کر کہا کہ آج سے تم میرے سگے بھائی کی طرح ہو۔ اور پوچھنے لگے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تمہاری کیا خواہشات ہیں؟ میں نے اپنی خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایک تو میں باقاعدہ طور پر دین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں تاکہ دین کو اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوسکوں اور دوسرے مسلمانوں کو جو آج بری طرح فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہیں' اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرا سکوں' تاکہ ہم سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کرسکیں اور فرقہ واریت کے ہاتھوں لقمۂ اجل نہ بن جائیں۔

چونکہ وہ دن جمعہ کا دن تھا' لہٰذا آج پہلی نماز اللہ کے فضل سے جمعہ کی ہی ادا کی۔ اسلام قبول کرنے کے تین چار دن بعد ہی مجھے ایک خواب آیا جس میں باریش اور پرنور چہرے والے ایک گھڑسوار نے آتے ہی مجھے ایک خط دیا اور فرمانے لگے کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو مبارک نامہ بھیجا ہے اور گھوڑے پر سوار ہوکر چل دیے۔ جیسے ہی میں نے نامہ مبارک کھولا تو اس میں سونا مسلسل گرتا جا رہا تھا' میں حیران تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ صبح جب میں اٹھا تو میری خوشی کی انتہا نہ تھی' کیونکہ میں سمجھ گیا کہ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے دین اسلام قبول کرنے کی مبارک باد تھی۔

انہی دنوں میں نے پاکستان میں موجود اپنے دوست وقاص کو فون پر اس مبارک عمل کی خوشخبری دی اور کہا کہ میرے اس فعل کو میرے گھر والوں پر واضح کر دینا۔ چند ہی دنوں میں یہ خبر خاندان اور دوستوں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اب صرف ایک ہی ڈر تھا کہ گھر والے کیا سوچ رہے ہوں گے کہ کہہ کر تو گیا تھا تمہاری خوشیوں کے لیے وطن سے باہر جا رہا ہوں مگر اس نے تو پورے خاندان میں ہماری ناک کٹوا دی۔ امی کو کئی بار فون کیا مگر وہ بات نہیں کرتی تھیں۔ اور اگر امی کا کسی سے پوچھتا تو پتا چلتا کہ تمہاری تصویر دیکھ کر روتی رہتی ہیں اور ابو بھی تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہتے ہیں۔ اس دوران کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کروں' آخر کس طرح ان پر واضح کروں کہ جو قدم میں نے اٹھایا ہے وہی درست ہے۔ ایک مرتبہ امی الحمدللہ مجھ سے بات کرنے پر تیار ہو ہی گئیں تو میں نے موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن سے کہا کہ امی جان پہلے تو میں آپ سے پیار کرتا تھا' آپ کی خدمت کرتا تھا' آپ کی ضروریات کو پورا کرتا تھا' یہ ساری چیزیں آپ کا بیٹا ہونے کے ناتے تھیں' مگر اب یہ ساری

چیزیں ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجھ پر فرض ہوگئی ہیں اور یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کو اُف تک نہ کہو اور جو بلند مقام اسلام ماں باپ کو دیتا ہے وہ آپ کے تصور سے بھی بالاتر ہے۔ تو کیوں ایسے دین کو آپ آڑے لا رہی ہیں جو کہ انسانی رشتوں کو مجروح نہیں کرتا بلکہ وقار بخشتا ہے؟ اور بس یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ یہ وہ جنت ہے جس کی ہر انسان خواہش رکھتا ہے' تو کیا اب بھی آپ مجھ سے نالاں ہیں؟ خیر اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری ماں کے دل میں آہستہ آہستہ میرے لیے وہ محبت ڈال دی جو کہ پہلے میں گمان بھی نہ کرسکتا تھا۔

ایک بار تو والد صاحب نے بھی بات کی لیکن زیادہ تر گلے شکوے کا ہی اظہار کیا۔ شاید اس لیے کہ وہ اسلام کی قدر و منزلت سے ناواقف تھے۔ میں Visit Visa پر دوبئ گیا ہوا تھا' جس کی مدت پوری ہوگئی اور اس دوران روزگار کا کوئی بہتر سلسلہ بھی نہ بن سکا' لہٰذا پاکستان واپس آنا پڑا۔ شروع شروع میں گھر والوں اور رشتہ داروں کی باتیں تو بہت سننا پڑیں' لیکن بغیر کسی حیل و حجت کے ان کی مخالفت کا سامنا کرتا رہا۔ بعد ازاں میں نے ان کی تنقیدوں کا جواب بائبل کے ذریعے دیا جو کہ میرے لیے فائدہ مند ثابت ہوا اور یوں کچھ مخالفت بھی کم ہوئی۔ اس کے علاوہ دین کی برکات سے میرے اندر بہت سی تبدیلیاں بھی پیدا ہوگئی تھیں جن کی وجہ سے میرے گھر والوں کے دل میں میرے لیے پہلے سے بھی کہیں زیادہ محبت پیدا ہوگئی۔ اب میرے والدین باقی سب بہن بھائیوں سے زیادہ محبت مجھ سے کرتے ہیں۔ میری بہنیں بھی سب بھائیوں سے زیادہ مجھ ہی سے محبت کرتی ہیں۔ یہ سب میرے لیے اللہ کریم ہی کا فضل ہے اور اب الحمد للہ دین کی دعوت کا کام پوری لگن اور جذبے کے ساتھ کر رہا ہوں۔ میری دعوت کا ہدف مسلمان بھی ہیں اور مسیحی دوست احباب بھی' بالخصوص خاندان۔ جن مسلمانوں نے مجھے دین کی دعوت نہیں دی تھی اب میں ان کی اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں۔

ایک مرتبہ حافظ عاکف سعید صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی قسم کی پریشانیوں کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا؟ اس کے جواب میں مَیں نے کہا کہ کرنا تو پڑا' لیکن عیسائیوں سے زیادہ مسلمانوں کی وجہ سے۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس پر میں نے بتایا کہ میں بریلوی' حنفی' دیوبندی یا وہابی نہیں ہوں بلکہ میں تو مسلمان ہوں اور یہی کہلوانا پسند کرتا ہوں' اسی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' کیونکہ میرے ماتھے پر کسی قسم کا لیبل نہیں ہے۔

میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اُن تمام مسائل کو بیان کروں جن کی وجہ سے کافی دل آزاری کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک دوست نے کہا کہ اگر تم ہماری رسومات کو بدعت سمجھتے ہو، جبکہ یہ محبت کا تقاضا ہے تو تم سخت گمراہی کا شکار ہو اور گستاخ بھی۔ یہی نہیں، ایک بار تو ایک باریش شخص کے لاکھ بار سمجھانے پر بھی اُن کا جاہ وجلال مجھ پر اثر کرنے میں ناکام رہا تو انہوں نے مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم نے ایسا ہی مسلمان ہونا تھا تو بہتر تھا کہ تم عیسائی ہی رہتے۔ (نعوذ باللہ!)

میری ایسے بھائیوں سے گزارش ہے کہ اگر وہ کسی کو مسلمان نہیں کر سکتے تو کم از کم جو مسلمان ہو چکے ہیں انہیں تو اسلام پر قائم رہنے دیں اور اُن کی دل آزاری نہ کریں۔ اگر کوئی دشمن آپ پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ آپ کو وہابی، دیوبندی، یا بریلوی نہیں بلکہ مسلمان جانتے ہوئے اپنے ظلم وستم کا شکار بناتا ہے۔ اور ہم ہیں کہ آج بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ایسی چیزوں پر موقوف کیے ہوئے ہیں جن سے دین کو کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں۔ اگر اب بھی ہم ان فرقہ بندیوں سے باہر نہ آئے اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد نہ کی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری داستاں تک بھی نہ رہے داستانوں میں!

میری مسیحی بھائیوں سے بھی درخواست ہے کہ اپنی تعلیمات وعقائد پر ذرا غور وفکر کریں کہ کیا یہ وہی تعلیمات ہیں جو مسیح علیہ السلام کی تھیں؟ یہ میری روداد ہی نہیں بلکہ مسیحیوں اور مسلمانوں کے لیے نصیحت بھی ہے۔

حواشی

(۱) کتاب مرقس، باب ۱۲، آیت ۲۹
(۲) کتاب یوحنا، باب ۱۷، آیت ۳
(۳) کتاب کرنتھیوں، باب ۱، آیت ۱۹
(۴) کتاب ططس، باب ۲، آیت ۱۳
(۵) کتاب متی، باب ۵، آیات ۱۷ تا ۱۹
(۶) کتاب گلتیوں، باب ۳، آیات ۱۰ تا ۱۳
(۷) کتاب متی، باب ۷، آیت ۱۵
(۸) کتاب متی، باب ۲، آیت ۲۴
(۹) کتاب اعمال ۱۱:۲۱
(۱۰) کتاب یوحنا، باب ۱۶، آیات ۷ تا ۱۷
(۱۱) کتاب متی، باب ۴، آیت ۱

تکفیر کا مسئلہ

حافظ طاہر اسلام عسکری ☆

عصر حاضر میں پوری دنیا کی باطل قوتیں اور طاغوتی طاقتیں ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ'' کے مصداق اسلام اور اہل اسلام کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے اپنے تمام تر ہتھکنڈوں اور ہتھیاروں سمیت عالمِ اسلام پر حملہ آور ہو چکی ہیں اور ان کی جارحیت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن ان کے مقابلے میں مسلمان تشتت و افتراق کا شکار ہیں' فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور باہم ایک دوسرے ہی سے برسر پیکار ہیں۔ حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے تمام تر اختلافات و تنازعات کو پس پشت ڈالتے ہوئے' کتاب وسنت کی بنیاد پر متفق و متحد ہو کر اسلام کے دفاع کی جنگ لڑی جائے' مگر افسوس کہ ایک مسلمان اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کو محض گروہی کشمکش اور معمولی اختلافات کی بنا پر کافر قرار دیتا نظر آتا ہے۔ اسی طرح دوسری جانب سے اس پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کر کے اُمت مسلمہ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

زیر نظر تحریر میں تکفیر جیسے سنگین اور حساس نوعیت کے مسئلے پر قرآن وسنت اور منہج سلف کی روشنی میں چند اہم گزارشات پیش کی جا رہی ہیں۔

۞ تکفیر کا مفہوم

کسی شخص کو وصف کفر سے متصف کرنے کو تکفیر کہا جاتا ہے۔ لغت عرب کی رو سے 'کفر' کا مطلب ہے چھپانا اور ڈھانپنا۔ ابن فارسؒ کہتے ہیں:

الکاف والفاء والراء اصل صحیح یدل علی معنی واحد وھو الستر والتغطیة (۱)

''ک' ف اور ر ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ ہے چھپانا اور ڈھانپنا۔''

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

اسی وجہ سے کسان کو کافر کہا جاتا ہے' کیونکہ وہ دانے کو زمین کی مٹی میں چھپاتا ہے۔
قرآنِ مجید میں ہے:

﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ﴾(الحدید: ۲۰)

''اس کی مثال بارش کی سی ہے جس کی پیداوار نے کسانوں کو خوش کر دیا۔''

● لفظ کافر جو مؤمن کی ضد ہے' وہ بھی اسی سے نکلا ہے۔ وہ کافر اس لیے کہلاتا ہے کہ وہ حق پر پردے ڈالتا ہے اور اپنے ربّ کی نعمت کو چھپاتا ہے۔ ابن فارسؒ اور الازہریؒ نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔ لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ اسے کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دل کو کفر سے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ قول لیثؒ کا ہے۔(۲)

● کفارہ بھی اسی مادے سے ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ گناہوں کو چھپا دیتا ہے اور انہیں مٹا دیتا ہے۔

● اگر کوئی شخص اپنے آقا کے سامنے تعظیماً اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر کھڑا ہو تو اُس کے اس فعل پر بھی ''تکفیر'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابن جریر کا ایک شعر ہے:

وَاِذَا سَمِعْتَ بِحَرْبِ قَيْسٍ بَعْدَهَا
فَضَعُوا السِّلَاحَ وَكَفِّرُوْا تَكْفِيْرًا

''اور جب اس کے بعد تم قیس کی جنگ کے بارے میں سنو تو ہتھیار پھینک کر دست بستہ کھڑے ہو جاؤ''۔

● خضوع وانقیاد کو بھی تکفیر کہا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ: اتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا.....)) (۳)

''جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے سارے اعضاء زبان کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کر کے کہتے ہیں کہ ''ہمارے معاملے میں خدا سے ڈرنا.....''

● اسی طرح کسی جنگجو کا اپنے آپ کو ہتھیاروں سے ڈھانپ لینا اور ان میں چھپ جانا اور بادشاہ کی تاج پوشی کرنا بھی ''تکفیر'' کہلاتا ہے۔(۴) ان تمام مثالوں میں اصلی معنی ڈھانپنے اور چھپانے ہی کے ہیں۔

یہ تو تھا لفظ تکفیر کا لغوی مفہوم۔ اصطلاحی اعتبار سے اس کا مطلب ہے ''کسی کو کافر قرار دینا اور اس پر اسلام سے نکلنے اور خارج ہونے کا حکم لگانا''۔

۞ مسئلہ کی سنگینی اور حساسیت

کسی شخص پر کفر کا حکم لگانا انتہائی سنگین اور خطرناک معاملہ ہے جو انتہائی گہرے اور دُوررس اثرات کا حامل ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے انتہائی واضح اور قطعی دلیل کے بغیر یہ اقدام اٹھانا درست نہیں' بلکہ اس میں غایت درجے کی احتیاط اور گہری چھان بین کرنی چاہیے۔ بلاتحقیق کسی کو کافر کہنا ایک ناجائز اور حرام فعل ہے جس کی کسی صورت میں اجازت نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (النساء:٩٤)

''اے ایمان والو! جب تم راہِ خدا (جہاد) میں سفر کرو تو تحقیق کیا کرو اور جو شخص تم سے سلامٌ علیک کرے اس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔''

● امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

''جہاں تک ممکن ہو تکفیر سے احتراز کرنا چاہیے' کیونکہ توحید کا اقرار کرنے والے مسلمانوں کا خون حلال کرنا ایک خطا ہے' اور ایک ہزار کافر کو غلطی سے زندہ چھوڑنا اس سے ہلکا ہے کہ غلطی سے ایک مسلمان کا خون بہا دیا جائے۔'' (فیصل التفرقة للغزالیؒ بحواله فتح الباری:١٢/٣١٤)

● علامہ ابن الوزیر الیمانیؒ تکفیر میں احتیاط کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تکفیر میں توقف کرنے میں غلطی کرنا خدا تعالیٰ کے حق میں تقصیر ہے جو کہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے' انتہائی معاف کرنے والا اور رحمت واسعہ کا مالک ہے' سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور انتہائی حکیم و دانا ہے۔ جبکہ تکفیر کے اندازے میں غلطی کرنا خدا کے مسلمان اور مؤمن بندوں کے حق میں کوتاہی کے مترادف ہے اور یہ خدا کے ان احکامات کے منافی ہے جو اُس نے مسلمانوں کی محبت' نفرت اور ان کے دفاع کے بارے میں صادر فرمائے ہیں۔''

● اسی بنا پر اہل علم فقہاء فرمایا کرتے تھے کہ:

''کفر کا معاملہ بہت بڑا ہے لہٰذا میں کسی کو اُس وقت تک کافر نہیں کہوں گا جب تک عدمِ تکفیر کی کوئی ایک روایت بھی اس کے بارے میں موجود ہو''۔

● کتب فقہ میں مذکور ہے کہ:

(الخلاصۃ) ''اگر کسی کے کفر کے بارے میں کئی وجوہ و اسباب موجود ہوں اور صرف ایک دلیل ایسی ہو جو تکفیر سے مانع ہو تو مفتی کو مسلمان سے حسن ظن رکھتے ہوئے اس وجہ کی طرف توجہ کرنی چاہیے''۔

یعنی تکفیر سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کسی کے کلام کی کوئی بہتر توجیہہ ہو سکے تو اسی پر اعتماد کرنا چاہیے نہ کہ اس کی بات کو غلط مفہوم پہنا کر اس پر کفر کا فتویٰ جڑ دیا جائے' جیسا کہ موجودہ دور میں دیکھنے میں آتا ہے کہ مخالف کی کوئی چھوٹی سی بات مل گئی اور مفتی کی نگاہِ فتنہ جُو نے اس میں سے ہزار کفریہ پہلو تلاش کر کے اس کے دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا اعلان صادر فرما دیا۔

اس امر کی سنگینی اور شدت احادیث مبارکہ اور ان اثرات سے بھی ظاہر ہوتی ہے جو تکفیر کی صورت میں مرتب ہوتے ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

احادیث مبارکہ

متعدد احادیث میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ کسی کو کافر کہنا انتہائی سنگین معاملہ ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

● رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

((اَیُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِیْهِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدُهُمَا)) (۵)

''جس نے اپنے بھائی کو کہا: اے کافر! تو وہ کفر اُن میں سے ایک پر ضرور پلٹے گا''

یعنی ان میں سے ایک گنہگار ٹھہرتا ہے۔ اگر وہ تکفیر درست ہے تو کافر اپنے گناہ کے ساتھ لوٹتا ہے' یعنی گناہ کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ اور اگر کافر کہنا غلط ہے تو تکفیر کرنے والا گنہگار ٹھہرے گا' کیونکہ اس نے بلا دلیل اور علم ایسا کیا ہے۔

● اسی سے ملتی جلتی حدیث سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْکُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَلَیْسَ کَذٰلِکَ اِلَّا حَارَ عَلَیْهِ)) (۶)

''جس نے کسی کو کافر کہہ کر پکارا یا اسے اللہ کا دشمن کہا' اور درحقیقت وہ دوسرا شخص ویسا نہ ہوا' تو یہ کفر اسی پر لوٹ آئے گا''

● اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن دقیق العیدؒ کہتے ہیں کہ:

''یہ اس شخص کے لیے عظیم وعید ہے جو مسلمانوں میں سے کسی ایک کو کافر کہتا ہے جبکہ وہ درحقیقت کافر نہ ہو۔ یہ ایسا ہلاکت خیز معاملہ ہے جس میں متکلمین اور حدیث وسنت کی طرف منسوب بہت سے لوگ واقع ہوئے ہیں' کہ جب ان کا عقائد میں اختلاف ہوا تو انہوں نے اپنے مخالفین پر سختی کی اور ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ اس سلسلے میں حشویہ فرقے نے تو ہیبت کا پردہ ہی چاک کر دیا' لہٰذا اگر ان کے مخالفین حقیقتاً کافر نہ ہوئے تو یہ وعید انہیں لاحق ہوگی۔'' (احکام الاحکام: ۷۶/۴)

● حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَعَنَ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ وَمَنْ رَمٰى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ))(۷)

''مسلمان پر لعنت کرنا' اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اور جس نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا''۔

اس حدیث سے استدلال یوں کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمان کی تکفیر کو گناہ اور شناعت وقباحت میں قتل کے برابر قرار دیا ہے۔ اور کسی فعل کو حرام سے تشبیہ دینا اس کے حرام ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

● محسن انسانیت رحمۃٌ للعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِىْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)) (۸)

''میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔''

ابو منصور الازہریؒ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد ''كفارًا'' کی وضاحت میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ کافروں سے مراد ہے اسلحہ اٹھا کر لڑائی کی تیاری کرنے والے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے لوگوں کی تکفیر کرے اور پھر خود کافر ہو جائے' جیسا کہ خوارج کا انداز تھا کہ وہ لوگوں سے بحث مباحثہ کرتے تو انہیں کافر کہتے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ: ((مَنْ قَالَ لِاَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهٖ اَحَدُهُمَا)) ''جس نے اپنے بھائی سے کہا: اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا''۔ (۹)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریق کار

رسول مکرم ﷺ کے ان واضح فرامین کی بنا پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تکفیر کے باب

میں انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کرتے تھے اور اس سے بہت زیادہ اجتناب کرتے اور پہلو بچاتے تھے۔ امام ابن عساکرؒ سیدنا ابوسفیانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ''ہم جابر بن عبداللہؓ کے پاس آئے۔ وہ مکہ کے پڑوس میں رہتے تھے اور بنی فہر کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا کیا آپ لوگ اہل قبلہ میں سے کسی کو مشرک کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ''معاذ اللہ!'' یعنی خدا کی پناہ۔ اور اس پر گھبراہٹ کا اظہار کیا۔

امام ابن عساکرؒ تکفیر کی سنگینی اور خطرات سے متعلقہ احادیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

فهذه الاخبار تمنع من تكفير المسلمين ' فمن اقدم على التكفير فقد عصى سيد المرسلين (تبيين كذب المفترى' ص ٤٠٥)

''یہ احادیث مسلمانوں کی تکفیر سے روکتی ہیں' لہٰذا جو کوئی تکفیر کا ارتکاب کرتا ہے وہ سید المرسلین ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے''۔

۞ تکفیر کے نتائج

کسی شخص کو کافر قرار دینے سے دو طرح کے اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے وہ جو آخرت سے متعلق ہیں۔ ان کی وضاحت حسب ذیل ہے:

(ا) دُنیوی نتائج: یہ پانچ ہیں:

(۱) کسی کو کافر کہنے کا پہلا دُنیوی اثر یہ ہے کہ اس پر ارتداد کی سزا لاگو کی جائے' جو کہ قتل ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((**مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ**)) (۱۰)

''جو اپنا دین بدل ڈالے اسے قتل کر دو۔''

یعنی اس سے مسلمان کا خون حلال ہو جاتا ہے' جبکہ اصل میں اسے حرمت و عصمت حاصل ہے' جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((**كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ**)) (۱۱)

''ہر مسلمان کا خون' مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس یقینی اور حتمی اصول کو چھوڑ کر، احتمالات کی بنا پر، کسی کے کفر کا فیصلہ صادر کر دے۔ اس سلسلے میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: ''ہمیں رسول اکرم ﷺ نے حُرَقَہ قبیلے والوں پر بھجوایا۔ ہم نے صبح سویرے ان پر حملہ کیا اور اُن کو شکست دی۔ میں اور ایک انصاری شخص حُرقَہ کے ایک آدمی سے بھڑ گئے۔ جب ہم نے اس کو گھیر لیا تو وہ لا الٰہ الاّ اللہ کہنے لگا۔ یہ سنتے ہی انصاری نے تو ہاتھ روک لیا اور میں نے برچھا چلا کر اس کو مار ڈالا۔ جب ہم واپس آئے تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسامہ تو نے یہ کیا کہ لا الٰہ الاّ اللہ کے بعد اسے مار ڈالا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ جان بچانے کے لیے کہتا تھا۔ لیکن آپؐ بار بار یہی فرماتے رہے۔ اس پر میں نے خواہش کی کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا''۔ (۱۲)

اب دیکھئے یہاں نبی مکرم ﷺ نے سیدنا اسامہؓ پر اظہارِ ناراضی فرمایا کہ انہوں نے لا الٰہ الاّ اللہ کہنے والے کے مسلمان ہونے کے یقینی و قطعی اصول کو نظر انداز کر کے ایک مشکوک بنیاد پر اسے کافر سمجھ کر قتل کر دیا کہ شاید وہ جان بچانا چاہتا تھا۔

(۲) اگر کسی کو کافر قرار دے دیا جائے تو اس کا ایک اثر یہ ہوگا کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی اور ان دونوں میں تفریق لازم ہوگی، کیونکہ وہ عورت مسلمان ہے اور یہ کافر۔ اور اس امر پر اجماع ہے کہ مسلمان عورت سے کسی کافر کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ﴾ (الممتحنة: ۱۰)

''پھر اگر تم سمجھ لو کہ وہ (درحقیقت) ایمان دار ہیں تو ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ۔ نہ یہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مرد ان کے لیے حلال ہیں۔''

(۳) جس کی تکفیر کر دی جائے اس کا اپنی اولاد پر حق ولایت باقی نہیں رہتا اور وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ کافر ہے اور خدشہ ہے کہ وہ ان کے معاملات میں فساد اور بگاڑ پیدا کرے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ (التوبة: ۷۱)

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں''۔

یعنی ولایت مسلمانوں کا ایک باہمی تعلق ہے نہ کہ مسلمان اور کافر کا۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء)

''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز غالب نہیں کرے گا۔''

(٤) ایسے شخص کو مسلمانوں کی طرف سے حاصل شدہ ولایت اور نصرت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ چنانچہ اہل اسلام کے لیے اس سے محبت و مودت رکھنا حرام ہوگا اور اُن پر لازم ہوگا کہ اس سے قطع تعلق اور مکمل بائیکاٹ کریں' یہاں تک کہ وہ تائب ہو جائے اور دوبارہ اسلام قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ﴾ (المُمتحنة:١)

''اے مسلمانو! میرے اور اپنے دشمن (یعنی کفار) کو دوست نہ بناؤ! تم ان سے دوستانہ ملاپ کرتے ہو اور وہ تو اس سچے دین کو مانتے ہی نہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔''

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ.....﴾ (المجادلة:٢٢)

''(اے پیغمبر ﷺ!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپؐ ان کو ایسا نہ دیکھیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو خدا اور رسول کے دشمن ہیں.....''

(٥) اس کی موت کے بعد اس پر مسلمانوں کے احکام جاری نہ ہوں گے' مثلاً: (١) اسے غسل نہیں دیا جائے گا۔ (٢) اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (٣) اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ (٤) اس کے لیے بخشش و رحمت کی دعا نہیں کی جائے گی۔ (٥) نہ وہ مسلمانوں کا وارث ہوگا اور نہ اس کے مسلمان رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:

((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ))[١٣]

''نہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا۔''

نیز قرآن میں ہے:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ (التوبة:٨٣)

''اور (اے نبی ﷺ!) اگر ان (منافقوں) میں سے کوئی مر جائے تو اس (کے جنازے) پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''

(ب) اُخروی نتائج: کسی کی تکفیر کے نتیجے میں اگر وہ اسی حالت میں فوت ہو جاتا ہے تو یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اسے عذاب ہوگا' اس پر لعنت ہو سکتی ہے' وہ دائمی جہنمی ہے' اس کے اعمال تباہ و برباد ہو گئے اور وہ رحمتِ خداوندی سے محروم ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(النساء:٤٨ و ١١٦)

''بلا شبہ خدا شرک کو بخشنے والا تو نہیں' اور اس کے ماسوا جو گناہ ہیں وہ جس کو چاہے بخش دے۔''

مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرة)

''اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے اور کفر ہی میں مرے تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا دنیا و آخرت دونوں میں برباد ہے اور وہ دوزخی ہیں' ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''

یہ اُخروی احکامات انتہائی سنگین اور شدید نوعیت کے ہیں' لہٰذا اگر کسی پر اس کے عدم کفر کے باوجود یہ احکامات لاگو کیے جائیں گے تو یہ اس مسلمان پر غایت درجے کا ظلم اور زیادتی ہے اور اہانت خداوندی کے مترادف ہے' کیونکہ اُخروی معاملات کلیتًا اسی کے اختیار میں ہیں۔

مشہور محدث امام ابوداؤد السجستانی ؒ اپنی کتاب ''السنن'' میں ''باب النهي عن البغي'' کے تحت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

''بنی اسرائیل میں دو شخص برابر کے تھے۔ ان میں سے ایک عبادت گزار تھا اور دوسرا (رات دن) گناہ کیا کرتا تھا۔ عبادت کرنے والا ہمیشہ گناہگار کو دیکھتا اور کہتا باز آ جا! ایک دن اسے گناہ کرتے دیکھا تو کہا: باز آ جا! اس پر دوسرا کہنے لگا: تو مجھے اور میرے ربّ کو چھوڑ دے! کیا تو مجھ پر داروغہ بن کر آیا ہے؟ یہ سن کر عبادت گزار نے کہا: خدا

کی قسم ! اللہ تجھے کبھی نہ بخشے گا' (یا تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا) پھر دونوں مر گئے اور خدا کی بارگاہ میں اکٹھے ہوئے تو پروردگار نے عبادت کرنے والے سے فرمایا: اَکُنْتَ بِیْ عَالِمًا اَوْ کُنْتَ عَلٰی مَا فِیْ یَدِیْ قَادِرًا؟ ''کیا تو میرے حال سے باخبر تھا یا مجھ پر کوئی اختیار رکھتا تھا؟'' پھر گناہگار سے فرمایا: میری رحمت سے تو جنت میں چلا جا !اور عبادت کرنے والے کے بارے میں کہا :اسے جہنم میں لے جاؤ''۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : بخدا اس نے ایسی بات کہی جس سے اس کی دنیا اور آخرت دونوں بگڑ گئیں''۔(١٤)

مسئلۂ تکفیر میں مختلف نقطہ ہائے نظر

سابقہ تاریخ اور موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سلسلے میں لوگ تین گروہوں میں منقسم ہیں:

(**۱**) ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو تکفیر میں غلو سے کام لیتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر کفر کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ان میں سے بعض کے پاس تو ان اصول وقواعد کا علم نہیں ہوتا جو شریعت میں کسی کو کافر قرار دینے کے لیے مقرر ہیں' اور اکثریت اس دیانت اور حسن ظن سے بھی تہی دامن ہوتی ہے جو کسی مسلمان سے معاملہ کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔دَورِ قدیم میں معتزلہ اور خوارج کا یہی رویہ تھا۔

(**۲**) ایک گروہ ایسا ہے جو دوسری انتہا پر ہے۔ان کا کہنا ہے کہ کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے اور پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی کی تکفیر کرتا ہے' یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ خدا کا حق ہے' کیونکہ کفر کا تعلق قلبی معاملات سے ہے جہاں کسی انسان کو رسائی حاصل نہیں' لہٰذا اب کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا' چاہے وہ جو بھی کرتا رہے' اور بس زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتا رہے۔

عصر حاضر میں روشن خیالی کے علم بردار جدیدیت پسندوں کا یہی نقطۂ نظر ہے۔زمانۂ ماضی میں ایک گمراہ اور بدعتی فرقہ 'مرجئہ' بھی اسی کا قائل تھا۔

(**۳**) اس حساس مسئلہ میں ایک موقف افراط وتفریط کے بجائے میانہ روی پر مبنی بھی ہے کہ تکفیر کے سلسلہ میں شرعی قواعد وضوابط کی پابندی کی جائے اور تمام حالات کے جائزے کے

بعد جب تک مطلوبہ اسباب وشرائط مکمل طور پر موجود نہ ہوں یہ خطرناک اقدام نہ اٹھایا جائے۔ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا زاویۂ نگاہ یہی ہے۔

غور کیا جائے تو یہی موقف مبنی برصواب نظر آتا ہے، اس لیے کہ اگر کسی مسلمان کے جان و مال کا احترام انفرادی طور پر ضروری ہے اور بلا شرعی سبب کے اسے کافر کہنا انتہا درجے کا ظلم و زیادتی اور گناہِ کبیرہ ہے، تو دوسری طرف مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لیے کفر و الحاد اور لادینیت وارتداد جیسے جراثیم کا سدّ باب بھی ضروری ہے۔ لہٰذا بعض ناگزیر صورتوں میں فرد کی تکفیر کرنا خود ایک شرعی تقاضا ہے۔ جس طرح کوئی ڈاکٹر کسی مریض کے گلے سڑے عضو کو اُس کے جسم سے کاٹ پھینکتا ہے تاکہ باقی جسم میں زہر سرایت نہ کر سکے اور اسے محفوظ رکھا جا سکے، یہی معاملہ تکفیر کا ہے، لیکن یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ کہیں محض شک وشبہ کی بنا پر صحیح سالم عضو کو کاٹ کر کسی کو معذور ہی نہ کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں علامہ ابن ابی العز الحنفیؒ لکھتے ہیں:

واعلم رحمک اللّٰہ وایانا ان باب التکفیر وعدم التکفیر باب عظمت فیہ الفتنۃ والمحنۃ فیہ، وکثر فیہ الافتراق وتشتت فیہ الاھواء والآراء وتعارضت فیہ دلائلھم فالناس فیہ علی طرفین ووسط ..... فطائفۃ تقول: لا نکفر من اھل القبلۃ احدا فتنفی التکفیر نفیا عاما مع العلم بان فی اھل القبلۃ المنافقین..... ولھذا امتنع کثیر من الائمۃ عن اطلاق القول بانا لا نکفر احدا بذنب بل یقال: لا نکفرھم بکل ذنب کما تفعلہ الخوارج (۱۵)

''جان لیجیے، خدا آپ پر اور ہم پر رحمت فرمائے، کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے مسئلہ میں بہت سے فتنے اور مصیبتیں ہیں۔ اس سے بہت زیادہ افتراق پھیلا ہے اور من پسند نظریات و آراء کا انتہائی انتشار ہوا ہے۔ اس بارے میں لوگوں کے دلائل میں بہت تعارض ہے۔ تکفیر کے باب میں تین گروہ پائے جاتے ہیں۔ دو انتہاؤں پر مبنی ہیں اور ایک معتدل۔ چنانچہ ایک کا کہنا ہے کہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیں گے۔ یعنی تکفیر کی کلیتاً نفی کر دی، باوجود یکہ یہ معلوم ہے کہ اہل قبلہ میں منافق بھی موجود ہیں۔ اسی لیے بہت سے ائمہ نے علی الاطلاق یہ کہنے سے منع فرمایا ہے کہ ''ہم گناہ کی بنیاد پر کسی کو کافر نہیں کہتے''، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم ہر گناہ کی وجہ سے لوگوں کی تکفیر نہیں کرتے۔ جیسا کہ خوارج کا وطیرہ تھا''۔

۞ افراط وتفریط پر مبنی زاویہ ہائے نگاہ کا تجزیہ

● تأمل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلا نقطۂ نظر (تکفیر میں غلو) ان شرعی دلائل اور نصوص سے متصادم ہے جن میں اس کی حدود وشرائط بیان ہوئی ہیں اور بغیر کسی شرعی بنیاد کے کسی کو کافر کہنے پر سخت وعید سنائی گئی ہے لہٰذا اسے کسی طور قابل قبول قرار نہیں دیا جاسکتا۔

● اسی طرح یہ موقف بھی مسترد کیے جانے کے لائق ہے کہ مطلق طور پر کسی کی بھی تکفیر ممنوع ہے۔ کیونکہ اس سے کتاب وسنت میں دیے گئے ان احکامات کی نفی ہوتی ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب مخصوص اسباب وشرائط موجود ہوں تو کسی کی تکفیر کی جاسکتی ہے' بلکہ بسا اوقات ایسا کرنا ضروری ہوجاتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات وشعائر کا تحفظ کیا جاسکے۔

اس طرزِ فکر کی اصل بنیاد یہ سوچ ہے کہ کفر محض دل کا عمل ہے اور کسی قول یا فعل سے کفر لازم نہیں آتا۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے' اس لیے کہ کفر کا تعلق اعتقاد' قول اور عمل تینوں سے ہے۔ چنانچہ اعتقاد سے متعلق کفریہ امور بھی ہیں' جیسے وجودِ خالق کا انکار یا ایک سے زائد معبودوں کا عقیدہ۔ اسی طرح دین کے مسلّمہ امور کو نہ ماننا مثلاً انبیاء علیہم السلام یا کتب سماویہ کا انکار وغیرہ بھی اسی قسم سے متعلق ہیں۔

علاوہ ازیں قول سے تعلق رکھنے والے کفریہ امور بھی موجود ہیں۔ مثلاً خدا یا رسولؐ کو گالی دینا یا دین اسلام کو برا بھلا کہنا۔ اسی طرح کافر قرار دینے والے کچھ عوامل ایسے ہیں جن کا تعلق فعل سے ہے' جیسے کسی بت یا صلیب کو سجدہ کرنا یا قرآن مجید کو گندگی میں پھینک دینا وغیرہ۔[۱۶] بلکہ اسی بات کو ایک پہلو سے دیکھا جائے تو یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ کسی کو مسلمان بھی قرار نہیں دیا جاسکتا' کیونکہ اسلام' کفر کی ضد ہے۔ جس طرح ظاہری اعمال کی بنا پر کسی کو مؤمن اور مسلم کہا جاتا ہے' اسی طرح کفر کا حکم بھی کفریہ اعمال سے مربوط ہے۔ لہٰذا جیسے شہادتین کا زبانی اقرار اسلام کی دلیل ہے اسی طرح کوئی کفریہ عمل' مثلاً رسول اکرم ﷺ کو گالی دینا یا قرآن سے استہزاء کرنا بھی کفر کی دلیل بن سکتا ہے۔

المختصر کفر بھی اسلام کی طرح ظاہر وباطن پر مشتمل ہے اور خدا تعالیٰ نے ظاہر کو باطن کی علامت قرار دیا ہے' اس لیے اسلامی اعمال سے کسی کے اسلام پر استدلال کی طرح افعالِ کفر سے کسی کے کفر کا اثبات بھی درست ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

''.....اسی بنا پر شریعت میں ظاہری اعمال کو باطن پر دلیل قرار دیا گیا ہے۔ بس اگر کسی کا ظاہر انحراف پر مبنی ہے تو باطن کا بھی وہی حکم ہے۔ اور اگر ظاہر درست ہے تو باطن بھی ویسا ہی سمجھا جائے گا۔ اور یہ فقہ اور دیگر تمام احکام' عادات اور تجربات میں ایک عمومی اصول کی حیثیت رکھتا ہے''۔ (۱۷)

مزید برآں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ فقہاء کرامؒ نے کتب فقہ میں ارتداد اور اس کے احکام سے متعلق خصوصی ابواب باندھے ہیں اور ان میں بہت سے ایسے اقوال وافعال کا ذکر کیا ہے جو باعث کفر ہیں۔ لہٰذا کفر کو محض اعتقاد باطن تک محدود کرنے کا رویہ کسی طور درست نہیں' بلکہ شریعت اسلامی سے ناواقفیت کی واضح دلیل ہے۔

۞ فتنۂ تکفیر اور اس کے اسباب

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ تکفیر میں غلو اور افراط کا رویہ ملتِ اسلامیہ کے بعض افراد اور جماعتوں میں ہمیشہ سے موجود رہا ہے' جس کی تردید پختہ کار اہل علم ہر زمانے میں کرتے رہے ہیں۔ موجودہ دَور میں بھی یہی صورت حال ہے کہ بعض جذباتی گروہ اس باب میں بے اعتدالی کی روش پر گامزن ہیں' لیکن معتمد اور اکابر علماء اُمت ان کا علمی ردّ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کا حقیقی موقف بھی اجاگر کر رہے ہیں۔

افراط وغلو کے ردّعمل میں بعض افراد ایک دوسری انتہا پر پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ وہ نہ صرف مطلقاً تکفیر ہی کے انکاری ہو چکے ہیں بلکہ غالی گروہ کو بنیاد بنا کر تمام علماء اور مذہبی طبقوں کو نشانۂ تضحیک وتشنیع بنا رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات سے بے خبر اور تہذیب مغرب سے مرعوب نام نہاد دانشوروں کا یہ رویہ دراصل مذہب وملت سے ان کی بے زاری کا عکاس ہے' جو اُن کے قلب و باطن میں پوشیدہ ہے۔

ظاہر ہے کہ دونوں گروہوں کا طرزِ فکر وعمل قطعاً غلط ہے' جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں وہ اہم اسباب بیان کیے جاتے ہیں جن کی بنا پر تکفیر میں غلو کا رویہ وجود میں آتا ہے۔

(۱) دین واہل دین کے خلاف معاندانہ روش

اسلامی سلطنت کے بے شمار جغرافیائی ٹکڑوں میں بٹ جانے کی بنا پر عصر حاضر میں اسلامی معاشرہ بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور مسلمان ملکوں کی تعداد کے مطابق اتنے ہی

معاشرے ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر ان تمام معاشروں میں اسلامی شعائر اور شرعی تعلیمات کے خلاف بغاوت کی روش پائی جاتی ہے۔ قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف کھلم کھلا زبان درازی کی جاتی ہے اور دینی حلقوں کو رجعت پسند اور دقیانوس قرار دے کر ان کی توہین وتحقیر کی جاتی ہے۔ دین اور اہل دین کے خلاف اس جارحانہ طرزِ عمل کو کفریہ طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ لہٰذا ان پر کسی قسم کی روک ٹوک موجود نہیں۔ یہ صورتِ حال بہت سے جذباتی افراد کو ایسے لادین لوگوں کی تکفیر پر ابھارتی ہے اور وہ انہیں کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

(۲) اربابِ اقتدار کی نفاذِ شریعت میں پس وپیش

مسلمان ممالک کے حکمران قرآن وسنت کی تنفیذ کے سلسلہ میں مجرمانہ غفلت اور کوتاہی کا شکار ہیں۔ وہ سامراجی قوتوں کے دباؤ اور ذاتی اغراض ومقاصد کی وجہ سے اسلامی آئین و قانون کے بجائے مغرب سے درآمد شدہ نظام ہائے حکومت ہی کو مسلمان ریاستوں میں مسلط کیے ہوئے ہیں۔ یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ خدا کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر دیگر دساتیر کی پابندی کرنا قرآن کی رو سے کفر، ظلم اور فسق ہے'(۱۸) لیکن بدقسمتی سے اہل تکفیر تمام مسلمان سلطنتوں کے سربراہوں کو بلاتفریق اور علی الاطلاق کافر قرار دیتے ہیں' حالانکہ کسی معین فرد پر کفر کا حکم لگانے کی مستقل شرائط ہیں' جنہیں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال حکومت پر قابض افراد کا اسلامی شریعت کے نفاذ سے گریز کا رویہ تکفیر میں غلو کا ایک اہم سبب ہے۔

(۳) حامیانِ نفاذِ شریعت پر ظلم وستم

بعض مسلمان گروہ اور تنظیمیں جب اپنے خطوں میں شریعت کے نفاذ اور خود ساختہ قوانین کی منسوخی کا مطالبہ کرتی ہیں تو انہیں حکومتی جبر وتشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ انہیں جیلوں میں بند کر دیا جاتا ہے' ٹارچر سیلوں میں انتہائی اذیتوں سے دوچار کیا جاتا ہے اور بہت سوں کو تختۂ دار پر بھی لٹکا دیا جاتا ہے۔ مغرب نواز حکمرانوں کا ان افراد سے یہ غیر انسانی سلوک انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آخر ان کا قصور کیا ہے؟ خدا کی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ!! چنانچہ وہ ان کی تکفیر پر اُتر آتے ہیں' بلکہ بسا اوقات ان لوگوں کو بھی کافر قرار دے دیتے ہیں جو ان کی پیروی میں حکمرانوں کو کافر نہیں سمجھتے۔

یہاں یہ امر واضح طور پر پیش نظر رہے کہ اس سے راقم سطور کا مقصود حکمرانوں کو حق پر ثابت کرنا نہیں۔ بلاشبہ ایسا کرنے والے بہت بڑے ظالم ہیں' جو محض اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر ایسے اقدامات کرتے ہیں۔ ان کا یہ طریق کار انتہائی قابل مذمت ہے' لیکن اس بنا پر ان کو مطلق طور پر کافر سمجھنا بھی محل نظر ہے' جیسا کہ علماء کرام کی عظیم اکثریت کا زاویۂ نگاہ ہے۔

بہرحال یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ بلاسوچے سمجھے طاقت کا اندھا استعمال اور ظالمانہ و جابرانہ ہتھکنڈوں کے ردعمل میں ایسے گروہ ہی پیدا ہوتے ہیں جو پیغمبرانہ روش اور علم وبصیرت پر مبنی کھلی اور علانیہ دعوت کے بجائے زیرزمین کارروائیاں کرتے ہیں اور طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے فلسفے پر عمل کرتے ہیں۔

(۴) تعلیماتِ شرع سے ناواقفیت اور دین کا ناقص فہم

تکفیر میں غلو کا ایک بنیادی ترین سبب یہ ہے کہ تکفیری گروہوں کے پاس دینی بصیرت کا فقدان ہوتا ہے۔ وہ شریعت کے اہداف ومقاصد سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کتاب وسنت کا ناقص فہم ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ بعض شرعی نصوص کو تو دیکھتے ہیں' لیکن دیگر بے شمار دلائل ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت سے استدلال اور فہم شریعت کا درست منہج نہ سمجھنے کی وجہ سے وہ محکم دلائل کے بجائے مجمل اور مشتبہ دلائل سے احکام اخذ کرتے ہیں۔

خوارج سے متعلق رسول اکرم ﷺ کے درج ذیل ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

((يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ)) (۱۹)

یعنی ''وہ نصوصِ قرآنی کے مطالب ومفاہیم کو صحیح طور پر نہیں سمجھیں گے' بلکہ محض الفاظ پڑھنے تک ہی ان کی رسائی ہوگی۔''

سچ یہ ہے کہ اہل غلو میں سے بہت بڑی تعداد کی دیانت وتقویٰ اور نیکی پر کسی بحث کی گنجائش نہیں ہوتی' لیکن وہ علم وبصیرت سے تہی دامن ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ان کا یہ وصف بھی رسول معظم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ:

((يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمُرُوْقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ)) (بخاری شریف)

''تم اپنی نماز کو ان کی نمازوں اور اپنے روزے کو اُن کے روزوں کے مقابلے میں حقیر

جانو گے لیکن (اس کے باوجود) وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔''

یعنی یہ لوگ فسادِ ضمیر کے بجائے فسادِ فکر کا شکار ہیں' لیکن محض نیکی اور تقویٰ ہی درست اور حق پر ہونے کے لیے کافی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحینؒ عبادت سے پہلے طلب علم کی ترغیب دیتے تھے۔ سیدنا حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

العامل علی غیر علم کالسالک علی غیر طریق' والعامل علی غیر علم ما یفسد اکثر مما یصلح' فاطلبوا العلم طلبا لا یضر بالعبادۃ واطلبوا العبادۃ لا یضر بالعلم' فان قوما طلبوا العبادۃ وترکوا العلم حتی خرجوا باسیافھم علی امۃ محمد ﷺ ولو طلبوا العلم لم یدلھم علی ما فعلوا(۲۰)

''بغیر علم کے عمل کرنے والا اس طرح ہے جیسے راستے کے بغیر چلنے والا۔ ایسا شخص اصلاح سے زیادہ فساد و خرابی پھیلاتا ہے۔ پس علم حاصل کرو کہ عبادت میں خلل نہ آنے پائے اور عبادت اس طرح کرو کہ علم میں نقص پیدا نہ ہو۔ اس لیے کہ کچھ لوگوں نے عبادت تو کی مگر علم کو چھوڑ دیا' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تلواریں لے کر اُمت محمدؐ ہی پر چڑھ دوڑے۔ اگر وہ علم حاصل کرتے تو وہ انہیں ایسا نہ کرنے دیتا۔''

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید اور سنت رسولؐ کی صریح تعلیم ہے کہ علم' عمل سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّـهٗ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد:۱۹)

''پس جان لے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔''

اس مضمون پر دلالت کرنے والی بے شمار احادیث موجود ہیں۔ اسی لیے امام بخاریؒ نے اپنی 'الصحیح' میں یہ باب قائم کیا ہے: **باب العلم قبل القول والفعل** یعنی علم کے قول و فعل سے پہلے ہونے کا بیان۔

المختصر اگر انسان دینی علم نہ رکھتا ہو تو وہ بے شمار فتنوں کا شکار ہو جاتا ہے' جیسا کہ بہت سے افراد اسی بنا پر تکفیر جیسے خطرناک اور سنگین فتنے کا شکار ہو چکے ہیں۔ **اعاذنا اللّٰہ منہ۔**

۞ تکفیر کے ضوابط

ذیل میں وہ اہم قواعد و ضوابط ذکر کیے جاتے ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ یہ

ضابطے عمومی نوعیت کے ہیں۔ کسی متعین فرد کی تکفیر کی شرائط اور اس کی راہ میں حائل موانع کا تذکرہ کسی علیحدہ مضمون میں کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۱) قرآن وسنت پر اعتماد کیا جائے گا

تکفیر کے معاملات اور ان اعمال کے بیان، جن سے انسان کافر ہو جاتا ہے، کے سلسلہ میں قرآن مجید اور سنت رسولؐ ہی پر اعتماد کرنا انتہائی لازم اور ضروری ہے۔ تکفیر محض عقل، ذوق یا وجدان کی بنیاد پر نہیں کی جا سکتی، کیونکہ یہ شرعی معاملہ ہے جس کے لیے دلیل شرعی ہی کی ضرورت ہے۔ اہل علم کا مشہور مقولہ ہے کہ:

"التکفیر حق اللّٰہ تعالی فلا یکفر الا من کفرہ اللّٰہ ورسولہ"

یعنی "کسی کو کافر قرار دینا اللہ اور رسولؐ کا حق ہے، لہٰذا صرف اسی کی تکفیر ہو سکتی ہے جسے خدا اور رسولؐ کافر کہیں"۔ اس اصول کی بنا پر کسی واضح دلیل کے بغیر کسی کی تکفیر درست نہیں اور ایسا کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اسی طرح محض کسی کی تقلید میں کسی کو کافر کہنا بھی جائز نہیں، جیسا کہ بہت سے لوگوں کا وطیرہ ہے کہ وہ صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنے مخالفین پر کفر کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔

یہ امر بھی پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے کہ کسی خاص فعل کو کفر یہ اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب شریعت سے اس کی قطعی دلیل موجود ہو۔ دیکھا گیا ہے کہ لوگ ان باتوں پر بھی تکفیری فتوے ثبت کر دیتے ہیں جو درحقیقت باعثِ کفر نہیں ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ قول کہ انبیاء علیہم السلام سے صغائر یا اجتہادی غلطی کا ارتکاب ممکن ہے۔ اس قول کو مبنی بر خطا تو کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کی بنیاد پر کسی کی تکفیر درست نہیں۔ اجتہادی مسائل میں تکفیر کا رویہ دراصل غیر معتدل روش ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> **واجمع الصحابة وسائر ائمة المسلمين على انه ليس كل من قال قولا اخطأ فيه انه يكفر بذلک وان كان قوله مخالفا للسنة فتكفير كل مخطىء خلاف الاجماع** (۲۱)
>
> "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل اسلام کے تمام ائمہ عظامؒ کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص کا معاملہ ایسا نہیں کہ اس کے خطا پر مبنی موقف کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے، اگرچہ اس کا قول سنت رسولؐ کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ پس ہر خطا کار کو کافر کہہ دینا اجماع کی

خلاف ورزی ہے۔''

اسی طرح کسی نقطۂ نظر کے لوازمات کی بنا پر بھی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ مشہور قاعدہ ہے: **ان لازم المذهب ليس بمذهب**(۲۲) ''لازمِ مذہب' مذہب نہیں ہوتا''۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان ایک بات کہہ تو دیتا ہے مگر اپنے علم وفہم کے محدود ہونے کی بنا پر اس کے لوازمات سے بے خبر ہوتا ہے۔ اور اگر اسے ان کی خرابی کا علم ہو جائے تو وہ اپنے قول سے رجوع بھی کر لیتا ہے۔ لہٰذا کسی کے قول کے لوازمات کو بنیاد بنا کر اسے کافر قرار دینا غیر علمی طریقہ ہے۔

(۲) افراد کے ظاہر کا اعتبار ہوگا

ضوابطِ تکفیر میں سے ایک اہم ترین قاعدہ یہ ہے کہ اس معاملے میں لوگوں کے ظاہری احوال کا اعتبار کیا جائے گا۔ دنیا میں احکام کا دار و مدار انسان کے ظاہری اقوال و اعمال اور کیفیات ہی پر ہے' کیونکہ کسی کے قلب و باطن پر مطلع ہونا سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ لہٰذا لوگوں کے کفر اور اسلام کا فیصلہ بھی اسی اصول کی بنیاد پر ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہے تو اسے مسلمان سمجھا جائے گا' خواہ اندر سے وہ کافر ہو۔ اور اگر کوئی اپنے آپ کو کافر ظاہر کرتا ہے تو اسے کافر ہی کہا جائے گا چاہے دل سے وہ مؤمن ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی دلیل اللہ ربّ العزت کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (النساء: ۹٤)

''اور جو شخص تمہیں سلام کہے اسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔''

یہاں خدا تعالیٰ نے اس شخص کو عدمِ ایمان سے متصف کرنے سے منع فرمایا جو سلام کرتا ہے' کیونکہ یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔ اسی لیے رسول معظم ﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما پر اظہارِ ناراضی فرمایا تھا' کیونکہ انہوں نے لا الٰہ الاّ اللہ پڑھنے والے شخص کو کافر کہہ کر قتل کر دیا تھا۔ آپؐ نے اسامہؓ سے پوچھا: ((**اَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ**))(۲۳) ''کیا تو نے اسے لا الٰہ الاّ اللہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا؟''

پھر مطالعۂ سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ لوگوں کے قول اور عمل کی بنا پر ان کا اسلام معتبر قرار دیتے تھے' چاہے ان کے باطن کا معاملہ اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ منافقین کے ساتھ آپؐ کا طرزِ عمل اس کی بین دلیل ہے کہ آپؐ نے اُن پر اہل اسلام کے

احکامات ہی نافذ فرمائے‘ درآنحالیکہ آپؐ ان کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔

اسی اصول کی جانب اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ‘ فَاِذَا قَالُوْا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَ ھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللّٰہِ))(۲۴)

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک لڑوں تا آنکہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیں۔ جب وہ اس کو مان لیں تو گویا انہوں نے مجھ سے اپنی جان و مال کو محفوظ کرلیا‘ سوائے اسلام کے حق کے‘ اور ان کا حساب اللہ ہی کے ذمہ ہے۔‘‘

گویا آپؐ نے احکام اسلام کو اسی کلمہ سے معلّق کیا ہے۔ خلیفۂ ثانی شہید محراب سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اسی قاعدے کو واضح کرتا ہے۔ آپؓ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

’’عہد رسالت میں تو لوگوں کا محاسبہ وحی کی بنیاد پر ہی ہوجایا کرتا تھا‘ لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے‘ لہٰذا اب ہم تمہارے ظاہری اعمال کی بنیاد پر تمہارے ساتھ معاملہ کریں گے.....‘‘(۲۵)

عظیم صحابیٔ رسولؐ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ:

فُلَانٌ تَقْطُرُ لِحْیَتُہٗ خَمْرًا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ اِنَّا قَدْ نُھِیْنَا عَنِ التَّجَسُّسِ وَلٰکِنْ اِنْ یَظْھَرْ لَنَا شَیْءٌ نَاْخُذْ بِہٖ (۲۶)

’’فلاں شخص کی داڑھی سے شراب کے قطرے ٹپکتے ہیں (یعنی اس کا شرابی ہونا معلوم ہے)‘‘ تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ’’ہمیں تجسس سے روکا گیا ہے‘ لیکن جب معاملہ ظاہر ہو تو ہم اسی کے مطابق برتاؤ کرتے ہیں‘‘۔

(۳) گناہ (ماسوائے کفریہ کے) ایمان کے نقص کا باعث ہیں‘ خاتمے کا نہیں

اہل سنت والجماعت کے اصول وقواعد میں یہ اہم ضابطہ بھی شامل ہے کہ معصیت اور گناہ پر مبنی افعال انسان کے ایمان میں کمی اور ضعف کا موجب تو بنتے ہیں‘ مگر یہ ایمان کو کلی طور پر ختم نہیں کرتے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایمان کو درخت سے تشبیہہ دیتے ہوئے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ اگر کسی درخت کی بعض ٹہنیاں ٹوٹ جائیں تو درخت کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے اور اسے درخت ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی انسان اپنے بعض اعضاء سے

محروم ہو جائے تو وہ انسان ہی کہلائے گا۔ ایسا نہیں کہ اس پر لفظ انسان کا اطلاق ہی نہ ہو سکے۔ بعینہٖ یہی معاملہ ایمان کا ہے۔ انسان کی سیاہ کاریاں اسے مضمحل، کمزور اور ناتواں تو کر دیتی ہیں، لیکن بہر حال اس کا وجود باقی رہتا ہے، وہ زائل نہیں ہوتا۔ لہٰذا کسی گناہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر قرار دینا قطعاً غلط ہے، الّا یہ کہ دیگر دلائل سے اس کی صراحت مل جائے۔ مذکورہ اصول کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الحُجُرٰت:۹)

''اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرنے لگے تو اس سے لڑو تا آنکہ وہ اللہ کا حکم مان لے''۔

آگے چل کر مزید ارشاد ہوا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ.....﴾(الحُجُرٰت:۱۰)

''بلاشبہ مؤمن (آپس میں) بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو.....''

ان آیات سے استدلال یوں ہے کہ اللہ عزوجل نے باہمی قتال اور جنگ کے باوجود دونوں گروہوں کو مؤمن کہا ہے اور انہیں دینی بھائی قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قتل جیسے کبیرہ گناہ کے باوجود انسان مؤمن رہتا ہے اور اس کا ایمان ختم نہیں ہوتا۔ سید الفقہاء والمحدثین، امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ نے بھی اس سے یہی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اپنی **الجامع الصحیح** میں لکھتے ہیں:

باب ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا﴾ **فسمّاهم المؤمنين** (۲۷) ''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو'' میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مؤمن قرار دیا ہے۔

(۲) اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

(النساء:۴۸ و ۱۱۶)

''بے شک خدا تعالیٰ شرک کو تو بخشنے والا نہیں، البتہ اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لیے

چاہے گا بخش دے گا''۔

اس ارشادِ ربانی سے استدلال کرتے ہوئے سیدنا امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

باب المعاصی من امر الجاهلية ولا يكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرک لقول النبیﷺ انک امرؤ فیک جاهلية وقول اللّٰه تعالی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ...... ﴾ [۲۸]

''اس امر کا بیان کہ معصیت کے کام امورِ جاہلیت میں سے ہیں اور ان کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا سوائے شرک کے۔ کیونکہ رسول اکرمﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تجھ میں جاہلیت (کی خصلت) پائی جاتی ہے''۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا......''۔

(۳) سیدنا امام بخاریؒ ہی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شراب پینے والے صاحب کا قصہ ذکر کیا ہے، جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوڑے لگائے تھے۔ جب وہ واپس جانے کے لیے مڑا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا: **اخزاک اللّٰہ** خدا تجھے رسوا کرے''۔ اس پر رسول اکرمﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ)) [۲۹]

''اس طرح نہ کہو اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو''۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((لَا تَكُوْنُوْا عَوْنًا لِلشَّيْطَانِ عَلٰى اَخِيْكُمْ)) [۳۰]

''اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔''

اور اسی سلسلے میں ابوداؤد کی روایت کے آخر میں یہ ہے کہ:

((وَلٰكِنْ قُوْلُوْا : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ)) [۳۱]

''بلکہ یوں کہو کہ خدایا اسے بخش دے، اے اللہ اس پر رحم فرما''۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ ایک صاحب رسول اکرمﷺ کے پاس آ کر مزاح کی باتیں کر کے آپﷺ کو ہنسایا کرتے تھے۔ ایک دن انہیں شراب پینے کی پاداش میں کوڑے لگے تو کسی نے کہا: **اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ.** ''اس پر خدا کی لعنت ہو کہ کتنی بار شراب کے جرم میں لایا گیا ہے''۔ یہ سن کر نبی مکرمﷺ نے فرمایا:

((لَا تَلْعَنُوْهُ، فَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ)) [۳۲]

''اس پر لعنت نہ کرو، بخدا میں تو یہی جانتا ہوں کہ یہ خدا اور رسولؐ سے محبت رکھتا ہے''۔

(۴) مذکورہ اصول کی ایک دلیل درج ذیل فرمان نبویؐ سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ رسول معظم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفِهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ)) (۳۳)

''جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مدمقابل آتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں مستحق دوزخ ہیں۔''

اس ارشادِ پیغمبرؐ سے استدلال یوں کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے لڑائی کرنے کے باوجود انہیں مسلمان ہی کہا گیا ہے، اگرچہ ان کے جرم کے پیش نظر جہنم کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔

قرآن وسنت کے مندرجہ بالا دلائل کی روشنی سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ لہٰذا محض کسی گناہ کی وجہ سے کسی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا خوارج اور معتزلہ کا طریق کار ہے، صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ کے متبعین اہل سنت والجماعۃ اس سے کلیتًا اظہارِ براءت کرتے ہیں۔

(۴) کفر کو دو قسموں، اکبر اور اصغر، میں تقسیم کیا جائے گا

تکفیر کے بارے میں ایک بنیادی قاعدہ یہ بھی ہے کہ نصوصِ شریعت میں بیان شدہ کفر کی دو قسمیں کی جائیں، یعنی کفر اکبر اور کفر اصغر۔ ☆ یہ اصول قرآن وسنت کے گہرے اور استقرائی مطالعہ سے اہل علم کے نزدیک حتمی طور پر ثابت اور معلوم شدہ ہے۔

☆ کفر اکبر سے مراد یہ ہے کہ اس کا مرتکب ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے، یعنی مسلمان نہیں رہتا۔ اس کے بالمقابل ''ایمان'' آتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۵۳)

''تو ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور بعض نے کفر کیا۔''

☆ کفر اصغر سے انسان دائرۂ اسلام وایمان سے نکلتا تو نہیں البتہ اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ اس کا ارتکاب کرنے والے کو 'فاسق' (گناہگار، بدکردار) کہا جا سکتا ہے۔ یہ کفر عموماً

☆ اس سلسلے میں راقم کے ایک مضمون ''شریعت کی چار بنیادی اصطلاحات'' کا مطالعہ بھی مفید رہے گا، جو ماہنامہ ''میثاق'' ہی میں شائع ہو چکا ہے۔ اس میں شرک اور کفر کی اقسام کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ دیکھئے شمارہ اکتوبر اور نومبر ۲۰۰۷ء۔

'شکر' کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر)

''ہم ہی نے اسے راستہ دکھلایا' تو وہ شکرگزار ہے یا ناشکرا۔''

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ قرآن وسنت میں زیادہ تر تذکرہ پہلی قسم یعنی 'کفرِ اکبر' کا کیا گیا ہے۔ بطورِ مثال دو آیات ملاحظہ ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور جو کوئی ایمان کو نہ مانے تو اس کا (پہلا) کیا دھرا اکارت ہوگیا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔''

ایک دوسرے مقام پر ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ﴾ (مائدۃ:۷۳)

''بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے یہ کہا کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔''

کفر اصغر کا ذکر بھی کئی نصوص میں ملتا ہے' جیسا کہ درج ذیل احادیث میں لفظ ''کفر'' اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ پیغمبر اعظم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ)) (۳۴)

''مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

عظیم محدث سیدنا امام ترمذیؒ اس حدیث کی روایت کے بعد فرماتے ہیں:

ومعنى هذا الحديث قتاله كفر' ليس به كفراً مثل الارتداد والحجة فى ذلك ما روى عن النبى ﷺ انه قال من قتل متعمدا فاولياء المقتول بالخيار ان شاء وا قتلوا وان شاء وا عفو' ولو كان القتل كفرا لوجب وقد روى عن ابن عباس وطاؤوس و عطاءٍ وغير واحدٍ من اهل العلم قالوا كفر دون كفرٍ وفسوق دون فسوق(۳۵)

رسول معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ)) (۳۶)

''جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھائی بلاشبہ اس نے کفر کیا یا شرک کیا''۔

عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ)) (۳۷)

''(ان کی جہنم میں کثرت کی وجہ یہ ہے کہ) یہ خاوندوں کی ناشکری اور احسان فراموشی کا رویہ اپناتی ہیں''۔

مذکورہ بالا احادیث میں جن افعال کو موجب کفر کہا گیا ہے' ان سے انسان مسلمان ہی رہتا ہے' جیسا کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے۔ لہٰذا لازماً اس سے مراد 'کفر اصغر' ہی لیا جائے گا۔

● علامہ ابن القیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

والقصد ان المعاصی کلها من نوع الکفر الاصغر فانها ضد الشکر الذی هو العمل بالطاعة(۳۸)

''مقصود یہ ہے کہ معصیت کے کام 'کفر اصغر' کی قسم سے تعلق رکھتے ہیں' اس لیے کہ یہ شکر کی ضد ہے جو اطاعت سے اعمال بجالانے سے عبارت ہے''۔

● حبر الامۃ' ترجمان القرآن' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشادِ باری ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدۃ) کی تفسیر میں مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

لیس بکفر ینقل عن الملة(۳۹)

''یہ وہ کفر نہیں ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے''۔ ☆

تنبیہ: یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر دیگر غیر اسلامی قوانین کے تحت فیصلہ کرنا یا کروانا ہر صورت میں 'کفر اصغر' نہیں ہوتا بلکہ حالات کی تبدیلی کے پیش نظر حکم بھی بدل جاتا ہے' لہٰذا سیدنا ابن عباسؓ کے مذکورہ اثر سے یہی مراد لیا جائے گا کہ بعض حالات میں یہ عمل کفر دون کفر یعنی کفر اصغر ہوتا ہے' نہ کہ تمام حالات میں۔ اس

☆ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر تفسیر و حدیث کی کئی کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ اس کے تمام طرق اور ان پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیے **اثر کفر دون کفر' تألیف ابوالعابدین المصری**' اگرچہ اس کتاب میں مذکورہ اثر پر بحث کے پیش کردہ نتائج سے کلی طور پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ مؤلف مذکور نے بھی دراصل مختلف روایات میں جمع کو چھوڑ کر ترجیح کا اسلوب اختیار کیا ہے' حالانکہ جمع ممکن ہے' جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

توجیہہ کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ الجھن از خود رفع ہو جاتی ہے کہ بعض دیگر روایات میں سیدنا ابن عباسؓ ہی نے اسے مطلقاً کفر بھی کہا ہے۔ تو اس تضاد کا کیا حل ہے؟ مختلف دلائل میں بھی جمع و تطبیق کے بجائے ان میں ٹکراؤ پیدا کر کے ترجیح کا راستہ اختیار کرنا غیر مناسب رویہ ہے، جس سے مختلف قسم کے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔

سیدنا امام بخاریؒ کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ کفر اور ظلم کی دو قسمیں ہیں۔ چنانچہ اپنی ''الجامع الصحیح'' کی ''کتاب الایمان'' میں ایک باب کا عنوان یہ رکھا ہے:

باب کفران العشیر و کفر دون کفرٍ

یعنی ''خاوندوں کی ناشکری اور اس امر کا بیان کہ کفر کمتر درجے کا بھی ہوتا ہے''۔

اور ایک دوسرا باب بایں الفاظ باندھا ہے:

باب ظلم دون ظلم

یعنی ''کم تر اور ہلکے درجے کے ظلم کا بیان''۔

اور اس باب کے تحت سیدنا ابن مسعودؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب آیت مبارکہ:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ..... ﴾(الانعام:۸۲)

''وہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے''

نازل ہوئی تو صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور کہا: **ایُّنا لم یظلم** ''ہم میں سے کون ظلم نہیں کرتا!'' یعنی پھر تو نجات مشکل ہے۔ اس پر رسول معظم ﷺ نے سمجھایا کہ یہاں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں، بلکہ شرک ہے اور بطور دلیل یہ آیت پیش فرمائی: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ (لقمٰن) ''بلاشبہ شرک، ظلم عظیم ہے''۔(۴۰)

اوپر پیش کردہ قرآنی آیات، ارشاداتِ پیغمبرؐ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ محدثین کی تصریحات کے بعد اس امر میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ 'کفر' کی یہ تقسیم برحق ہے اور اسے پیش نظر رکھنا علمائے اُمت کے نزدیک ایک طے شدہ امر ہے، جسے کسی طور نظر انداز کرنا ممکن نہیں، بصورتِ دیگر بہت سے فتنوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جیسا کہ باطل فرقوں کے طرزِ عمل سے عیاں ہے۔

(۵) ایک ہی فرد میں ایمان اور نفاق کی بعض صفات جمع ہو سکتی ہیں

اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلّمہ اصول تکفیر میں یہ ضابطہ بھی شامل ہے کہ بسا اوقات ایک ہی

شخص میں ایمان اور نفاق یا کفر کے بعض اوصاف کا جمع ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا وہ اپنے ایمان کی بناء پر مؤمن کہلائے گا اور معصیت کی وجہ سے فاسق، نافرمان اور خطا کار۔ گویا ایمان اور کفر کے مظاہر بیک وقت اس میں موجود ہیں۔ اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

● رسول اکرم ﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ **اِنَّکَ امْرُؤٌ فِیْکَ جَاهِلِیَّةٌ** ''تجھ میں جاہلیت باقی ہے'' یعنی جاہلیت کے بعض اوصاف موجود ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا ایمان وتقویٰ بھی مسلّم ہے۔(۴۱)

● نبی مکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((مَنْ مَّاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ))(۴۲)

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے نہ تو کبھی قتال کیا اور نہ ہی اس کی خواہش کی، تو اس کی موت نفاق کی ایک قسم پر ہوئی۔''

● نفاق کی مختلف اقسام ذکر کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ کَانَتْ فِیْهِ شُعْبَةٌ مِّنْهُنَّ کَانَتْ شُعْبَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا))

(متفق علیه)

''اور جس میں ان نشانیوں میں سے ایک آدھ موجود ہو گویا اس میں نفاق کی ایک آدھ خصلت موجود ہے، یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے''۔

● شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وهذا کثیر فی کلام السلف، یبینون ان الشخص قد یکون فیه ایمان و نفاق

''یہ کلام سلف میں کثرت سے موجود ہے کہ وہ اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ ایک ہی شخص میں ایمان بھی ہوتا ہے اور نفاق بھی''۔

مزید لکھتے ہیں:

''خوارج، معتزلہ، جہمیہ اور مرجئہ جیسے خواہش پرست فرقوں کا کہنا ہے کہ ایک شخص میں ایمان اور نفاق جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بعض تو اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے یہاں غلطی کی ہے اور عقل صریح کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ کی مخالفت کے بھی مرتکب ٹھہرے ہوئے ہیں۔ خوارج اور معتزلہ نے اسی اصولِ فاسد کو عام قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''ایک ہی شخص میں اطاعت اور معصیت جمع نہیں ہو سکتیں، کہ اطاعت سے وہ ثواب کا مستحق ٹھہرے اور معصیت سے عذاب کا۔ یہ امر

بھی ممکن نہیں کہ ایک شخص بعض پہلوؤں سے قابل تعریف ہو اور بعض اعتبارات سے لائق مذمت ہو.....''۔ (جب کہ حقیقت یہ ہے کہ) ایک ہی شخص کو خدا تعالیٰ جہنم میں سزا دے گا اور پھر جنت میں داخل فرما دے گا' جیسا کہ صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے۔ تو اس کے گناہوں کی وجہ سے اسے دوزخ کی سزا ملی اور نیکیوں کے باعث جنت کا داخلہ نصیب ہوا۔ لہٰذا اس میں معصیت اور اطاعت کا جمع ہونا متفقہ امر ہے.....

اسی بنا پر بہت سے گناہوں کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ وہ کفر ہیں' باوجود یکہ ان کے مرتکب میں ایک ذرے سے بڑھ کر ایمان موجود ہوتا ہے' اس لیے وہ دائمی جہنمی نہ ہوگا''۔ (۴۲)

تفصیل بالا سے واضح طور پر یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ایمان و نفاق کا ایک ہی فرد میں جمع ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا تکفیر کے سلسلے میں اسے بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ اس اہم اور بنیادی اصول سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بہت سے غالی گروہ اور افراد اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ایک شخص یا تو خالص مؤمن ہوگا یا خالص کافر۔ اسی بناء پر وہ کئی افراد اور معاشروں کو کافر قرار دیتے ہیں' جن میں کفر و جاہلیت کے بعض اوصاف پائے جاتے ہیں' باوجود یکہ ان میں ایمان اور اسلام بھی موجود ہوتا ہے' لیکن وہ اس جانب سے غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے چنداں اہمیت نہیں دیتے۔

(۶) تکفیر نوع اور شخص معین کی تکفیر میں فرق ضروری ہے

تکفیر کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ اصول بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ کفریہ اعمال سے معلق تکفیر مطلق اور کسی مخصوص اور متعین گروہ یا فرد کی تکفیر میں امتیاز کیا جائے گا۔ لہٰذا کسی قول و فعل کا ذکر کرتے ہوئے یوں کہنا تو درست ہے کہ فلاں عمل کفریہ ہے یا جس نے یوں کہا وہ کافر ہے' لیکن جب کسی شخص کو خاص کر کے اس پر حکم لگانا مقصود ہو تو پھر تکفیر کے جملہ اسباب و شرائط کا جائزہ لیا جائے گا اور یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس میں کسی قسم کا مانع تو نہیں' یعنی ایسی رکاوٹ جس کی بنا پر کفر کا حکم نہ لگایا جا سکے۔ اس چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے بعد ہی کسی فرد یا گروہ کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ ایک عمل کو تو کفر قرار دیا جائے' لیکن اس کے مرتکب کو کسی عذر شرعی کی بنا پر کافر کہنا درست نہ ہو۔ مثلاً اس نے نیا نیا اسلام قبول کیا ہو' یا وہ ایسے خطے کا باسی ہو جہاں سے علم اور اہلِ علم تک رسائی ناممکن ہو یا اس کے ذہن میں

کوئی شبہ ہو یا وہ تأویل سے کام لے رہا ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس ضابطے کی توضیح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ان القول قد یکون کفرًا فیطلق القول بتکفیر صاحبه ویقال : من قال هذا فهو کافر، لکن الشخص المعین الذی قاله لا یحکم بکفره حتی تقوم علیه الحجة التی یکفر تارکها، وهذا کما فی نصوص الوعید فان اللّٰه یقول ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾ (النساء) فهذا ونحوه من نصوص الوعید حق لکن الشخص المعین لا یشهد علیه بالوعید، فلا یشهد علی معین من اهل القبلة بالنار لجواز ان لا یلحقه الوعید لفوات شرط او ثبوت مانع، فقد لا یکون التحریم بلغه، وقد یتوب من فعل المحرم، وقد تکون له حسنات عظیمة نحو عقوبة المحرم. وقد یبتلی بمصائب تکفر عنه، وقد یشفع فیه شفیع مطاع وهکذا الاقوال التی یکفر قائلها، قد یکون الرجل لم تبلغه النصوص الموجبة لمعرفة الحق..... وقد تکون بلغته ولم تثبت عنده او لم یتمکن من فهمها وقد تکون عرضت له شبهات یعذره اللّٰه بها. ومذاهب الائمة مبنیة علی هذا التفصیل بین النوع والمعین (۴۳)

''بسا اوقات ایک قول کفر یہ ہوتا ہے، لہٰذا اس کے قائل کی مطلق طور پر تکفیر کی جاتی ہے کہ جس نے ایسا کیا وہ کافر ہے۔ لیکن اگر اس کے قول کے کسی متعین قائل کا مسئلہ ہو تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی جب تک کہ اس پر ایسی صحت قائم نہ کر دی جائے جس کا تارک کافر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نصوص وعید کا معاملہ ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کر رہے ہیں اور عنقریب وہ جہنم میں میں داخل ہوں گے''۔ یہ وعید اپنی جگہ برحق ہے، لیکن اس کا اطلاق کسی معین فرد پر نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں میں سے کسی مخصوص شخص کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ وہ جہنمی ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی شرط کے عدم وجود یا کسی مانع کی موجودگی کی وجہ سے وہ شخص اس وعید کا مستحق نہ ہو۔ اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا

ہے کہ اسے اس عمل کی حرمت کا علم نہ ہو یا وہ اس سے تائب ہو چکا ہو یا اس کے نامۂ اعمال میں عظیم نیکیاں موجود ہوں، جو اس گناہ کی سزا کو مٹا دیں، یا اس کی اتنی آزمائشیں اور امتحانات ہوں کہ وہ سزا ختم ہو جائے یا پھر اسے کسی ایسی ہستی کی سفارش نصیب ہو جائے جو خدا کے ہاں مقبول ہو۔ یہی معاملہ ان اقوال کا ہے جن کی بنا پر تکفیر ہوتی ہے کہ کبھی تو ان کے قائل تک وہ دلائل ہی نہیں پہنچتے جو موجب یقین ہوں اور کبھی اسے ان کا علم تو ہوتا ہے مگر اس کے نزدیک وہ ثابت نہیں ہوتے، یا وہ انہیں سمجھنے سے قاصر رہتا ہے یا پھر ایسے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں وہ خدا کی بارگاہ میں بطور عذر پیش کر سکتا ہے۔ ائمہ کرام کے نقطۂ ہائے نظر کا دار و مدار، نوع اور معین فرد کے مابین فرق کی اسی تفصیل پر ہے''۔

● مذکورہ اصول کی تائید رسول معظم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ:

كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُسِيْءُ الظَّنَّ بِعَمَلِهٖ فَقَالَ لِاَهْلِهٖ ' اِذَا اَنَا مُتُّ فَخُذُوْنِيْ فَذَرُّوْنِيْ فِي الْبَحْرِ فِيْ يَوْمٍ صَائِفٍ' فَفَعَلُوْا بِهٖ فَجَمَعَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى الَّذِيْ صَنَعْتَ؟ قَالَ: مَا حَمَلَنِيْ اِلَّا مَخَافَتُكَ' فَغَفَرَ لَهٗ (٤٤)

''تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص اپنے عمل کی وجہ سے سوءظن کا شکار تھا، تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش لے کر اسے ریزہ ریزہ کرنا اور سخت گرمی کے دن میں (جب زور کی ہوا چلتی ہے) سمندر میں بکھیر دینا۔ اس کے وارثوں نے ایسا ہی کیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کے (بدن کے) تمام اجزاء جمع کیے اور پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا پروردگار! تیرے خوف کی وجہ سے، تو خدا تعالیٰ نے اسے بخش دیا''۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ **فَوَ اللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ رَبِّيْ لَيُعَذِّبَنِّيْ عَذَابًا مَا عَذَّبَهٗ اَحَدًا** ''اللہ کی قسم اگر میرے ربّ نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی اور کو نہیں دے گا''۔

شیخ الاسلامؒ کہتے ہیں:

فهذا رجل شک في قدرة اللّٰه وفي اعادته اذا ذرّي بل اعتقد انه لا يعاد' وهذا كفر باتفاق المسلمين لكنه كان جاهلا لا يعلم ذلک ' وكان

مؤمنا یخاف اللّٰہ ان یعاقبہ فغفر لہ بذلک(مجموع الفتاوی)

''اس نے خدا کی قدرت اور بکھیرے جانے کے بعد دوبارہ اٹھنے میں شک کیا' بلکہ اس کا اعتقاد تھا کہ اسے دوبارہ اٹھایا ہی نہ جائے گا اور اس عقیدہ کے کفر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ لیکن وہ جاہل تھا اور اس بات سے بے خبر تھا۔ وہ صاحب ایمان تھا جسے یہ اندیشہ تھا کہ خدا اسے سزا دے گا' لہٰذا اسی بات پر خدا نے اسے بخش دیا''۔

● قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ (یکے از شرکائے غزوۂ بدر) کا قصہ بھی مذکورہ ضابطے کو تقویت دیتا ہے۔ انہوں نے اجتہادی غلطی کی بنا پر شراب کو حلال سمجھ لیا تھا۔ ان کا یہ موقف دراصل ایک آیت کی غلط تأویل کی وجہ سے بنا تھا۔ آیت یہ ہے:

﴿لَیۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیۡمَا طَعِمُوۡۤا اِذَا مَا اتَّقَوۡا وَّاٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ (المائدۃ:۹۳)

''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو (پہلے) کھا پی چکے ہیں' جب کہ وہ (شرک سے) بچیں اور ایمان پر قائم رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں۔''

اس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید شراب حرام نہیں بلکہ حلال ہے' اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اخطأت التأویل فانک اذا اتقیت اجتنبت ما حرم اللّٰہ علیک

''تو نے تأویل میں غلطی کی ہے۔ اس لیے اگر تو تقویٰ اختیار کرتا تو اپنے اوپر خدا کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا''۔

بعد ازاں آپؓ نے ان پر حد لگانے کا حکم دیا۔[٤٦]

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ ان صحابیؓ نے شبہ اور غلط تأویل کی بنا پر ایک حرام شے کو حلال سمجھ لیا' لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سمیت کسی صحابیؓ نے انہیں اس بنا پر کافر نہیں کہا۔

● اسی طرح بعد کے سلف صالحین کا طرزِ عمل دیکھا جائے تو وہ بھی یہی تھا کہ کسی متعین فرد کی تکفیر سے احتراز کیا جائے۔ چنانچہ امام اہل سنت' سیدنا احمد ابن حنبلؒ نے جہمیہ فرقہ کو کافر قرار دیا لیکن ان کے کسی معین شخص یا ان کے حامی خلفاء کی تکفیر نہیں کی' بلکہ خلیفہ کی امامت کو درست سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے۔[٤٧]

● امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

وقد عرف من مذھب الخوارج تکفیر کثیر من الصحابۃ ومن بعدھم

واستحلال دمائهم واموالهم واعتقادهم التقرب بقتلهم الی ربهم، ومع هذا لم یحکم الفقهاء بکفرهم لتأویلهم، وکذلک یخرج فی کل محرم استحل بتأویل مثل هذا.

''خوارج کا یہ مذہب تو معروف ہے کہ انہوں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں کو کافر کہا اور ان کے جان و مال کو حلال سمجھا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان لوگوں کو قتل کر کے خدا کا قرب حاصل ہوگا' لیکن اس کے باوجود فقہاء کرامؒ نے خارجیوں کی تکفیر نہیں کی' کیونکہ وہ تأویل کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اسی طرح اگر کسی حرام چیز کو تأویل کی رو سے حلال سمجھا جائے گا تو اس کا بھی یہی حکم ہے''۔

مزید کہتے ہیں:

وکذلک کلّ جاهل بشیء یمکن ان یجهله لا یحکم بکفره حتی یعرف ذلک وتزول عنه الشبهة ویستحله بعد ذلک[۴۸]

''یہی معاملہ ہر اُس شخص کا ہے جو کسی ایسی شے سے ناواقف ہو جس سے بے خبر ہونا ممکن ہو' اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا' تا آنکہ وہ اسے جان لے اور شبہ زائل ہو جائے' لیکن وہ اس کے بعد بھی اسے حلال سمجھتا رہے''۔

خاتمہ

مندرجہ بالا معروضات کی روشنی میں یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ کسی فرد کو کافر قرار دے کر دائرۂ اسلام سے خارج کرنا انتہائی سنگین اور خطرناک معاملہ ہے' لہٰذا بغیر علم کے کسی پر کفر کے فتوے صادر کرنے سے انتہائی اجتناب ضروری ہے۔ کسی کی تکفیر کا فیصلہ انہی اہل علم کی ذمہ داری ہے جو علم شریعت میں گہری بصیرت کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات اور اس فرد یا گروہ کے جملہ اموال و کوائف سے بخوبی واقف ہوں۔ اسی طرح فرقہ وارانہ تعصّبات اور فقہی اختلافات کی بنا پر بھی کسی کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ کاش چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو دائرۂ ایمان سے خارج کرنے والے یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھیں کہ رسول رحمت ﷺ لوگوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے تھے' نہ کہ نکالنے کے لیے۔ باری تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کا صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین!

حواشی

۱) مقاییس اللغة ۱۹۱/۵۔

٢) تهذيب اللغه٤/٣١٦١۔ نيز: مقاييس اللغة ١٩١/٥۔

٣) سنن الترمذی، كتاب الزهد عن رسول اللّٰهﷺ، باب ما جاء فی حفظ اللسان۔

٤) تهذيب اللغة ٣١٦٣/٤۔ نيز لسان العرب ١٤٦/٥، ١٤٨، ١٨٠

٥) صحيح البخاری، كتاب الادب، باب من كفر اخاه بغير تأويل فهو كما قال۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من قال لاخيه۔

٦) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان حال الايمان من رغب عن ابيه وهو يعلم۔

٧) صحيح البخاری، كتاب الادب، باب من كفر اخاه بغير تأويل فهو كما قال۔

٨) صحيح البخاری، كتاب العلم، باب الانصات للعلماء۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان معنی قول النبیﷺ: لا ترجعوا بعدی كفارا......

٩) تهذيب اللغة ٣١٦٢/٤۔

١٠) صحيح البخاری، كتاب الجهاد والسير، باب لا يعذب بعذاب اللّٰه۔ ***نیز یہ حدیث*** جامع الترمذی، سنن النسائی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجه ***اور*** مسند احمد ***میں بھی ہے۔***

١١) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم وخذ له واحتقاره ودمه وعرضه وماله۔ وسنن الترمذی، كتاب البر والصلة، باب ما جاء فی متفقة المسلم علی المسلم۔

١٢) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب تحريم قتل الكافر بعد ان قال لا اله الا اللّٰه۔

١٣) صحيح البخاری، كتاب الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر...... وصحيح مسلم، كتاب الفرائض۔

١٤) سنن ابی داؤد، كتاب الادب، باب النهی عن البغی۔

١٥) ابن ابی العز الحنفی، شرح العقيدة الطحاوية: ٣٥٥۔ نيز الملل والنحل: ٢٠٣/١۔

١٦) الكافی لابن قدامه ٣١٩/٥۔

١٧) الشاطبی، الموافقات فی اصول الشريعه ٢٣٣/١۔

١٨) ***دیکھئے سورۃ المائدۃ کی آیات ۴۴، ۴۵ اور ۴۷۔***

١٩) صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام۔ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرون وقصرها، باب ترتيل القراء ة واجتناب الهذ وهو الافراط فی السرعة۔

٢٠) ابن عبدالبر، جامع بيان العلم وفضله۔

٢١) ابن تيمية، مجموع الفتاوی: ٦٨٥/٧۔

٢٢) ابن تيمية، درء التعارض: ١٥٣/٤۔ نيز مجموع الفتاویٰ ٢١٧/٢٠۔

٢٣) صحيح البخاری، كتاب المغازی، باب بعث النبیؐ اسامة بن زيد الی الحرقات من جهينة۔

٢٤) صحيح البخاری، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول اللّٰه: ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ﴾۔

٢٥) صحيح البخاری، كتاب الشهادات، باب الشهداء العدول۔

٢٦) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی النهی عن التجسس۔
٢٧) دیکھئے الجامع الصحیح میں کتاب الایمان۔
٢٨) ایضاً۔
٢٩) صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب الضرب بالجرید والنعال۔
٣٠) صحیح البخاری،کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن الشارب الخمر وانه لیس بخارج من..... الخ۔
٣١) سنن ابی داوٗد، کتاب الحدود، باب الحد فی الخمر۔
٣٢) صحیح البخاری،کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن شارب الخمر۔
٣٣) صحیح البخاری کتاب الایمان، باب وان طائفتان من المؤمنین..... الخ۔
٣٤) صحیح البخاری کتاب الایمان، باب خوف المؤمن من ان یحبط عمله وهو لا یشعر۔
٣٥) سنن الترمذی، ابواب الایمان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء سباب المؤمن فسوق۔
٣٦) سنن الترمذی، ابواب النذور والایمان عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی کراهیة الحلف بغیر اللّٰه۔
٣٧) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب کفر ان العشیر وکفر دون کفر۔ وسنن النسائی، کتاب الکسوف، باب قدر القراءة فی صلاة الکسوف۔
٣٨) ابن القیم الجوزیة، مدارج السالکین بین منازل ایاك نعبد وایاك نستعین:١/٣٥٥۔
٣٩) ابن جریر الطبری، جامع البیان، ١٠/٣٥٥-
٤٠) دیکھئے صحیح بخاری کا مذکورہ باب، نیز بخاری ہی میں کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللّٰه: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ﴾ ٣١٧٥۔
٤١) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاهلیة،رقم٢٩۔
٤٢) صحیح مسلم،کتاب الامارة، باب ذم من مات ولم یغز..... الخ۔
٤٣) ابن تیمیةؒ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی: ٧/٢٠٣،٣٠٣،٣٠٥،٣٥٥۔
٤٤) المسائل المار دینیّه، ص ٦٥۔٦٨۔
٤٥) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الخوف من اللّٰه، رقم،٥٩٩٩۔
٤٦) عبدالرزاق، المصنف:٩/١٧٠، سنن البیهقی:٨/٣١٦۔ حافظ ابن حجر نے 'الاصابة' میں اسے بیان کرکے سکوت فرمایا ہے۔
٤٧) ابن تیمیه، مجموع الفتاوی٢٣/٣٤٨ نیز٧/٥٠٧۔ المسائل الماردینیّه:٦٩۔
٤٨) ابن قدامه، المغنی:١٢/٢٧٦،٢٧٧۔

اسلام اور میڈیا کا استعمال

شہزاد احمد رضی

بلاشبہ یہ میڈیا کا دور ہے۔ آج کل جنگیں روایتی انداز کی بجائے میڈیا کے محاذ پر لڑی اور جیتی جاتی ہیں۔ میڈیا کی دونوں شاخیں ''پرنٹ'' اور ''الیکٹرانک'' اپنی اہمیت اور کارکردگی کے لحاظ سے عروج پر ہیں۔ میڈیا کے ذریعے ہی سوچوں کو بنایا' سنوارا یا بگاڑا جا رہا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کی تسخیر کے لیے بھی میڈیا سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ پراپیگنڈے کے لیے میڈیا کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ اپنی ان باتوں کے ثبوت کے لیے ہم چند مثالوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

آپ اپنے معاشرے کو دیکھ لیں۔ آج بدقسمتی سے آپ کو تقریباً ہر چیز پر مغربی/انڈین میڈیا کا اثر نظر آئے گا۔ انڈین چینل سٹار پلس کے پروگرامز خصوصاً ڈرامے ہمارے لیے trend maker کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں' مارکیٹوں میں نکل کر دیکھیں تقریباً ہر چیز کا نام سٹار پلس کے ڈراموں کے اداکاروں اور اداکاراؤں کے نام پر رکھا جانے لگا ہے۔ جوتوں کے نام' کپڑوں کی تراش اور جیولری کا انداز غرضیکہ ہر چیز پر سٹار پلس کے ڈراموں کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔

انڈین/انگلش فلمز کے ہیروز نے بدقسمتی سے ہمارے اصل ہیروز کی جگہ لے لی ہے۔ آج کے بچوں کو شاہ رخ اور آرنلڈ کی تقریباً تمام فلموں کے نام آتے ہوں گے' لیکن زیادہ تر بچوں کو یہ نہیں پتا ہوگا کہ صلاح الدین ایوبی کا تعلق کس علاقے سے تھا۔ بچے تو دور کی بات بڑوں تک کو یہ پتا نہیں ہوگا۔ انڈین/انگلش فلموں کے ہیروز کی تصویریں آپ کو سکول و کالج کے طلبہ کی فائلوں پر نظر آئیں گی۔ ان کے ہیئر سٹال اور ڈریسنگ وغیرہ کی نقالی ہمارے لوگوں کی پسندیدہ ''ہابی'' بن چکی ہے۔ اگر سونیا گاندھی کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے پاکستان کو ثقافتی محاذ پر فتح کر لیا ہے تو غلط نہیں ہے۔ بدقسمتی سے حقیقت اس دعوے کے کوئی زیادہ برعکس نہیں ہے

(ہمارے عرب بھائی بھی ان انڈین فلموں/ڈراموں کے دلدادہ ہیں)۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر اعتراض کرنے اور اسلام کی خود ساختہ منفی تصویر پیش کرنے میں بھی مغربی میڈیا پیش پیش ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں توہین آمیز خاکے کوئی زیادہ پرانا مسئلہ تو نہیں ہے۔ یہ جسارت مغربی میڈیا نے ہی کی تھی۔

مغربی میڈیا نے ایک اور کام شروع کر رکھا ہے۔ بش اور اس کے حواری جس مسلمان ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں وہاں کے حکمرانوں کے بارے میں اس قدر منفی پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں اور میڈیا کا اس سلسلے میں اس قدر منفی استعمال شروع کر دیتے ہیں کہ دنیا اُن کا موقف ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ طالبان ہوں' اسامہ ہوں یا صدام کا معاملہ' گوئبلز کے ان چیلوں نے اس قدر شدت سے جھوٹ بولا کہ دنیا کی اکثریت نے ان پر یقین کر لیا۔ Osama جیسی فلمیں ہوں یا ان کی (مغربی میڈیا کی) رپورٹیں' غرضیکہ زہر اگل اگل کر انہوں نے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنا لیا۔

بی بی سی اور سی این این وغیرہ پر نشر ہونے والی خبروں اور تبصروں پر اکثریت فوراً یقین کر لیتی ہے۔ غرضیکہ الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا دونوں ہی بہت زیادہ با اثر ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک اور ثبوت ہم اپنے ملک کے موجودہ حالات کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں کہ چیف جسٹس کے خلاف حکومتی اقدامات پر وکلاء کے علاوہ میڈیا (الیکٹرانک + پرنٹ) نے حکومت کے لیے کتنی مشکلات پیدا کر دیں اور حکومت ان کے خلاف ایکشن لینے پر مجبور ہو گئی۔ اخباروں کے اداریے اور کالم حکومتوں کی نیندیں اڑا دیتے ہیں اور یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔

ان مثالوں سے ہمیں دو چیزوں کا علم ہوتا ہے کہ میڈیا اپنی دونوں شکلوں میں ایک طاقت ہے' بلکہ اخبارات کی طاقت کے بارے میں تو نپولین نے خوب کہا تھا کہ ''میں سو سنگینوں سے زیادہ ایک اخبار کی سنگینی سے ڈرتا ہوں''۔ دوسری چیز جو ان مثالوں سے ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ انڈین اور خصوصاً مغربی میڈیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی میں کس قدر آگے ہے۔

اب آتے ہیں اس طرف کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کس حد تک میڈیا کی اس طاقت کو اسلام کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ صورتِ حال اتنی زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔ ہمارے پاس نہ تو مغربی میڈیا کے معیار کا اخبار ہے' اور اسلامی ٹی وی چینل/فلم

انڈسٹری کا تو وجود ہی نہیں ہے۔ چلو پرنٹ میڈیا کے میدان میں تھوڑا بہت جیسا تیسا کام چل ہی رہا ہے' لیکن الیکٹرانک میڈیا کو تو ہم یکسر فراموش کر چکے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سوچیں اور الیکٹرانک میڈیا پر اپنی سوچ کو تبدیل کریں۔ آپ تسلیم کریں یا نہ کریں' یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہمارے بائیکاٹ کر دینے سے فلم/ٹی وی/ریڈیو وغیرہ کا وجود پھر بھی قائم رہے گا' تو پھر کیوں نہ ہم اسے اسلام کے کاز کے لیے استعمال کریں؟

فلم انڈسٹری کو اپنا قبلہ درست کرنا چاہیے۔ بجائے بلامقصد فلمیں بنانے کے اچھے اچھے موضوعات پر فلمیں بنائی جائیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ 9/11 F امریکہ میں بنی جو امریکی صدر بش اور اس کے چیلوں کا اصل مقصد دکھاتی ہے' لیکن کسی مسلمان ملک کو توفیق نہیں ہوئی کہ وہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کے جنگجوؤں کا اصل چہرہ اور مقصد منظر عام پر لانے کے لیے کوئی ایسی فلم بناتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے اصل ہیروز پر فلمیں بنائیں' ان کی زندگی اور ان کے کارناموں کو اپنی فلموں کا موضوع بنائیں۔ مولانا عبدالحلیم شرر اور نسیم حجازی وغیرہ کے ناولوں کو اس مقصد کے لیے فلمایا جا سکتا ہے۔ ہم بھارت کو دیکھ سکتے ہیں جو پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے خلاف بے سروپا فلمیں بنا کر اپنی عوام اور دنیا کو بے وقوف بناتا رہتا ہے' تو ہم کیوں اس کا منہ توڑ جواب نہیں دیتے؟ ہم بھی اس کے مقابلے میں فلمیں بنا کر اس کا منہ بند کر سکتے ہیں اور دنیا کو اس کا اصل چہرہ دکھا سکتے ہیں۔

ٹی وی تو فلم سے بھی آگے نکل چکا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کوئی ایسا ٹی وی چینل نہیں جو اسلام کا اصل روپ ہمارے سامنے اور دنیا کے سامنے پیش کرتا ہو۔ ہمیں ایک ایسے ٹی وی چینل کی ضرورت ہے جو مکمل طور پر اسلام کے لیے کام کرے۔ اس ٹی وی چینل کے ذریعے ہم حالاتِ حاضرہ کی درست اور صحیح تصویر پیش کر سکتے ہیں۔ اس ٹی وی چینل پر ہم ایسے علماء کرام کو بلائیں جو اسلام کے امن و آشتی کا مذہب ہونے کی تبلیغ کریں۔ یہ علماء لوگوں کے عقائد کی اصلاح کریں۔ اس چینل کے ذریعے ہم اصلاحی ڈرامے پیش کر سکتے ہیں اور مسلم معاشروں میں مروّجہ غیر اسلامی عقائد کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ یہ ٹی وی چینل دنیا کو بتائے کہ وہ مذہب کیسے دہشت گرد ہو سکتا ہے جس کا ماننے والا جب فلسطین فتح کرتا ہے تو خون کی ایک بوند بہانا بھی پسند نہیں کرتا' بلکہ کئی مستحق غیر مسلموں کا جزیہ تک معاف کر دیتا ہے یا اپنی جیب سے ادا کر دیتا ہے۔ دہشت گرد تو وہ ہیں جو فلسطین کی فتح پر اتنے مدمست ہوئے کہ ان کے گھوڑوں کی

ٹانگیں تک مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوگئیں۔ اس ٹی وی چینل سے ہم بچوں کے لیے اصلاحی کہانیوں پر مبنی کارٹونز پیش کر سکتے ہیں۔ ان کارٹونز کا پیغام یقیناً بچے ضرور سمجھ لیں گے اور قبول بھی کریں گے۔ اس ٹی وی چینل کے ذریعے ہم دینی کورسز اور فہم دین اور تدریس قرآن وحدیث کے پروگرامز بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے یقیناً لوگوں میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ریڈیو کو بھی بے پناہ اہمیت حاصل ہے' بلکہ یہ تو نہایت سستا میڈیم ہے اور اس کا اجراء بھی نہایت سستا ہے۔ ایسا ریڈیو چینل وقت کی ضرورت ہے جو ایسے لوگوں کے کنٹرول میں ہو جو پروپیگنڈا کے فن اور اس کا جواب دینے میں ماہر ہوں' کیونکہ پروپیگنڈا کے لیے سب سے زیادہ مؤثر میڈیم ریڈیو ہی رہا ہے اور اب بھی ہے۔ اس ریڈیو چینل سے ہم دینی' اصلاحی اور معلوماتی پروگرامز پیش کر سکتے ہیں اور لوگوں میں شعور اجاگر کر سکتے ہیں۔

غرضیکہ ہمیں میڈیا کے بھرپور استعمال کی ضرورت ہے۔ پرنٹ میڈیا پر کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے (مزید کی ضرورت ہے)' لیکن الیکٹرانک میڈیا پر ہمیں بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر انڈین اور مغربی میڈیا دنیا کو ہمارے بارے میں اور اسلام کے بارے میں گمراہ کر سکتے ہیں تو کیا ہم ان کا منہ توڑ جواب نہیں دے سکتے؟ ہمارے پاس ایمان ہے' تعلیم اور ذہانت ہے' تو پھر کیوں نہ ہم ان کو بروئے کار لاتے ہوئے میڈیا کی اس طاقت پر اپنا کنٹرول حاصل کریں اور میرا ذاتی خیال یہ بھی ہے کہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ (Islamic Renaissance) کے لیے یہ از حد ضروری ہے۔oo

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (51)

سعودی عرب (۳)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

خاندان ابن سعود

موجودہ سعودی عرب کا حکمران وہابی خاندان

اس خاندان کا بانی محمد بن سعود تھا' جو قبیلہ سالخ ولد علی سے تعلق رکھتا تھا۔ سعود درعیہ کا حکمران تھا۔ اس کی وفات کے بعد محمد بن سعود تخت نشین ہوا۔ یہی خاندان اب تک برسر اقتدار ہے۔

اس خاندان کی تاریخ کے تین بڑے اَدوار گزرے ہیں۔ ایک ابتدائی دور ہے جو 1820ء تک ہے۔ اس دور میں ریاض اور درعیہ کے علاقوں پر مصر کا قبضہ تھا۔ دارالحکومت درعیہ تھا۔ دوسرا دور 1896ء تک کا ہے' جس میں محمد بن عبداللہ کے پوتے ترکی اور اس کے فرزند فیصل کے ہاتھوں سلطنت کا احیاء ہوا۔ اس دور میں دارالسلطنت ریاض رہا۔ اس دور کا خاتمہ بنورشید کے قبضے پر ہوتا ہے۔ تیسرا دور 1902ء میں شروع ہوتا ہے' جب عبدالعزیز نے بنورشید کی حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور سلطنت ریاض قائم کی۔ موجودہ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ یہی عبدالعزیز تھا' جس کے بعد اس کے بیٹے شاہ سعود اور شاہ فیصل تخت نشین ہوئے۔ 1975ء میں شاہ فیصل کی شہادت کے بعد شاہ خالد بن عبدالعزیز' ان کے بعد شاہ فہد اور ان کے بعد موجودہ حکمران شاہ عبداللہ تخت نشین ہوئے۔ محمد بن سعود سے شاہ عبداللہ تک 23 حکمران گزر چکے ہیں۔ شاہ عبداللہ چوبیسویں فرماں روا ہیں۔ ان سب کے حالات فرداً فرداً نہایت اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

(1) محمد بن سعود (1725-1766ء)

1740ء میں جب محمد بن عبدالوہاب (وہابیت کے بانی) کو عینیہ سے نکال دیا گیا تو انہوں نے اپنے دوست محمد بن سعود کے ہاں پناہ لی۔ ان دونوں نے مل کر تبلیغ اور تلوار کے زور سے وہابیت کو

خوب پھیلایا۔ 1741ء سے گرد و نواح کے شہروں اور قبائلی اضلاع سے جنگ شروع ہوگئی اور جلد ہی بعض طاقتور پڑوسیوں مثلاً الاحساء کے بنوخالد اور نجران کے بنومکرمی کو اس جنگ میں دخل انداز ہونا پڑا' لیکن وہ وہابیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو نہ روک سکے۔ مکہ کے ''شریف'' وہابی حاجیوں کو ایک علیحدہ فرقے کا پیرو خیال کرتے ہوئے انہیں مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی اجازت نہ دیتے۔

(2) عبدالعزیز بن محمد بن سعود (1766-1803ء)

1720ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے عہد کے چند ابتدائی سال آس پاس کے شہروں اور قبائل بنوخالد' بنومکرمی اور بنومتفق سے مسلسل جنگ میں گزرے۔ وہاں سے ان کو نکالنے کے لیے بصرہ اور بغداد کے والیوں اور اُن کے حلیفوں نے کوشش کی' لیکن ناکام ہوئے۔ آخر 1799ء میں عبدالعزیز اور بغداد کے پاشا کے درمیان چھ سال کے لیے عارضی صلح کا معاہدہ ہوگیا۔

1772ء میں شریف مکہ نے وہابیوں کو ایک مخصوص ٹیکس ادا کرنے پر مقاماتِ مقدسہ میں زیارت کے لیے داخلے کی اجازت دے دی' مگر اُس کے جانشین غالب نے یہ رعایت واپس لے لی۔ اور پھر 1790ء' 1795ء اور 1798ء میں غالب نے حجاز کی جانب وہابیوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے ناکام فوجی اقدامات کیے' لیکن 1798ء میں صلح کرنی پڑی اور انہیں حج کی اجازت بھی دینی پڑی۔ شرط یہ طے ہوئی کہ وہ آئندہ شریف کے علاقے پر دست درازی نہیں کریں گے۔

شریف مکہ اور والیٔ بغداد کے درمیان یہ مصالحانہ تعلقات تھوڑی مدت تک قائم رہے۔ وہابیوں کے ایک قافلے پر شیعی قبائل کے حملے کا بدلہ لینے کے لیے سعود بن عبدالعزیز نے 1802ء میں کربلا پر حملہ کر دیا۔ 1801ء میں سعود حج کے لیے مکہ گئے اور عسیر اور تہامہ کے قبیلے اور بنوحرب' جواب تک شریف غالب کے ماتحت تھے' وہابیوں سے مل گئے' جس کے نتیجے میں علی الاعلان لڑائی چھڑ گئی اور 1803ء میں وہابیوں نے طائف پر قبضہ کر لیا اور سعود فاتحانہ مکے میں داخل ہو گئے' لیکن سعود کی واپسی پر شریف غالب نے مکہ میں وہابیوں کی قلعہ نشین فوج کو نکال دیا' لیکن بعد ازاں مجبوراً وہابیوں کو مزید مراعات دینا پڑیں۔

1800ء ہی میں وہابیوں نے خلیج فارس کے ساتھ ساتھ اپنی قوت بڑھانا شروع کر دی تھی اور آئندہ چند برسوں کے اندر اندر انہوں نے بحرین اور ساحلی قبیلوں یعنی رأس الخیمہ کے جواسمی قبائل کو اپنا محکوم بنا لیا۔ 1803ء نومبر کی تین تاریخ کو ایک شیعی نے درعیہ کی مسجد میں عبدالعزیز کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔

(3) سعود بن عبدالعزیز (1803-1814ء)

بغداد اور عمان کے خلاف چھوٹے چھوٹے اقدامات کے بعد سعود نے شریف غالب کی حکومت

کا خاتمہ کرنے کا پکا ارادہ کرلیا اور 1805ء میں مدینہ منورہ اور 1806ء میں مکہ مکرمہ پر قبضہ کرلیا۔ اپنے بچے کھچے اقتدار کو بچانے کے لیے شریف غالب نے اپنے آپ کو کلیتاً وہابیوں کا مطیع بنا لیا۔ وہابیوں نے اب حجاز میں بھی اپنے مسلک کی تبلیغ واشاعت شروع کر دی۔ حاجیوں کے ان قافلوں کو جنہیں حکومت ترکی نے تیار کیا ہو' حرم میں داخل ہونے کی ممانعت کر دی گئی۔ سلطان ترکی (عثمانیہ) کے نام کا خطبہ موقوف کر دیا گیا اور ایک رسمی خط میں سعود نے مطالبہ کیا کہ نہ صرف دِمشق کے والی کو' بلکہ خود عثمانی سلطان ترکی کو بھی چاہیے کہ وہ وہابی عقائد اختیار کرلے۔

دِمشق کے پاشا کے شدید انکار کا جواب سعود نے یوں دیا کہ 1810ء میں حوران کو تاخت و تاراج کیا اور خلیج فارس کے ساحلی قبائل کی بحری قزاقی کو بڑے پیمانے پر منظم کیا۔ 1809ء میں حکومت برطانیہ نے' جو اس زمانے میں ہندوستان پر مسلط تھی' رأس الخیمہ پر حملہ کر کے اس بحری بیڑے کو' جو حکومت برطانیہ کے بقول بحری قزاقوں کا بیڑا تھا' تباہ کر دیا۔ چونکہ بابِ عالی' ترکی کی حکومت عرب میں اپنی مملکت کو وہابیوں سے بچانے کے قابل نہ تھی اس لیے اس نے والیٔ مصر محمد علی پاشا کو اس کام پر مأمور کیا کہ وہ حجاز کو دوبارہ فتح کرے۔

لہٰذا مصری فوجوں کی پہلی مہم طوسوں پاشا کے ماتحت 1811ء میں ینبوع البحر اور ینبوع البر کی دوبارہ فتح سے شروع ہوئی' لیکن طوسوں پاشا مدینہ کی جانب بڑھا تو اسے 1811ء میں جدیدہ کے تنگ درے میں سعود کے بیٹوں عبداللہ اور فیصل کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اسے ینبوع کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد 1812ء میں اس نے دوبارہ فوجی کارروائیاں شروع کیں اور وہ اس مرتبہ زیادہ کامیاب رہا۔ اسی سال نومبر میں مدینہ فتح ہو گیا اور 1813ء جنوری میں مکہ پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ پھر چند دنوں کے بعد طائف پر بھی قبضہ کرلیا گیا۔ اس کے برخلاف 1813ء کے موسم گرما میں وہابی تربتہ کے مقام پر مصریوں کی مزید پیش قدمی روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی سال اگست کے آخر میں محمد علی پاشا خود جدہ آیا' لیکن اس کی سعود سے صلح کی گفت وشنید کی کوشش ناکام رہی۔ 1815ء تک طوسوں پاشا تربتہ کو فتح کرنے میں ناکام رہا' جبکہ 1814ء میں سعود درعیہ میں وفات پا چکا تھا۔

(4) عبداللہ بن سعود (1814-1818ء)

1815ء کے آغاز میں محمد علی پاشا تربتہ پر حملہ کرنے کے لیے پھر روانہ ہوا اور وسط جنوری میں اُسی سال شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد وہ عسیر کی طرف بڑھا اور قنفدہ کے راستے سے مکے واپس آیا۔ مارچ میں طوسوں پاشا نجد میں داخل ہوا اور الرس کے شہر پر قبضہ کرلیا' جہاں عبداللہ بن سعود سے اُس کی ملاقات ہوئی اور ایک خاص طویل عارضی صلح کی گفت وشنید 1816ء تک

جاری رہی۔اس سال محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم پاشا نے عربستان کی اعلیٰ کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور اٹھارہ ماہ کی متواتر صعوبتوں اور شدید جنگ آزمائی کے بعد وہ اپنی فوج کو درعیہ کے دروازوں تک لے گیا۔ 1817ء میں مادلہ کے مقام پر عبداللہ کو شکست ہوئی۔تین ماہ کے مسلسل محاصرے کے بعد مصریوں نے الرس پر قبضہ کرلیا۔1818ء میں ضرمہ کو فتح کیا۔دارالحکومت کا محاصرہ' جس کی مدافعت عبداللہ اور اس کے رشتہ دار کر رہے تھے' اپریل سے ستمبر 1818ء تک جاری رہا۔شہر کے فتح ہو جانے کے بعد بھی عبداللہ نے قصر درعیہ میں ٹھہر کر چند دن اور مقابلہ کیا۔ بالآخر ستمبر کے وسط میں اُس نے ہتھیار ڈال دیے۔اس کے ساتھ ہی اسے' اس کے خاندان اور محمد بن عبدالوہاب کی اولاد کو قاہرہ روانہ کر دیا گیا۔محمد علی پاشا نے عبداللہ بن سعود' اس کے سیکرٹری اور خزانہ دار کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا' جہاں 17 دسمبر 1818ء کو ان سب کے سر قلم کر دیے گئے۔

(5) مشاری بن سعود

یہ مقتول عبداللہ کا بھائی تھا۔جب 1819ء میں ابراہیم پاشا نجد سے چلا گیا تو یہ درعیہ میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا' لیکن اپنا قیام العارض میں رکھا۔تھوڑے عرصے کے بعد حسین بک نے' جسے محمد علی پاشا نے اُس کے خلاف کارروائی کے لیے بھیجا تھا' اسے گرفتار کر کے مصر بھیج دیا' لیکن 1820ء میں راستے ہی میں مر گیا۔

(6) ترکی بن عبداللہ بن سعود

مصری حملے کے وقت یہ بھاگ کر سدیر چلا گیا تھا اور اپنے چچا مشاری بن سعود کی وفات کے بعد اُس نے ریاض میں اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش بھی کی' لیکن مصریوں نے اسے وہاں سے نکال دیا۔1822ء میں وہ ریاض کی کمزور مصری قلعہ نشین فوج پر اچانک حملہ کرنے میں کامیاب ہو گیا' اور حجاز کے والیوں کے خلاف کبھی کامیاب اور کبھی ناکام جنگ کرنے کے بعد بالآخر اس نے محمد علی پاشا کو خراج دینا منظور کرلیا۔1830ء میں اس نے الدحاء کے قلعے پر قبضہ کرلیا' جہاں 1813ء میں ترک قابض ہو گئے تھے۔اس نے بحرین میں بھی اپنی حکومت قائم کر لی۔اب درعیہ کی بجائے وہابیوں نے ریاض کو اپنا دارالحکومت بنالیا' کیونکہ درعیہ ویران ہو چکا تھا۔ترکی بن عبداللہ کو 1834ء میں مشاری بن عبدالرحمٰن نے قتل کر دیا۔

(7) مشاری بن عبدالرحمٰن

مشاری بن عبدالرحمٰن بن مشاری بن حسن بن مشاری بن سعود پر چالیس دن کے بعد ھنھوف میں حملہ کر دیا گیا اور فیصل نے (جو ترکی بن عبداللہ کا بیٹا تھا) اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

(8) فیصل بن ترکی (1834-1839ء)

1837ء میں سعود بن عبدالعزیز کے بیٹے خالد نے مصریوں کی مدد سے اس کے خلاف بغاوت کر کے درعیہ پر قبضہ کر لیا اور اسے ریاض کے مقام پر شکست دی۔ 1838ء میں مصری فوج کے سپہ سالار خورشید پاشا نے الدلم کے مقام پر دوبارہ شکست دی اور قید کر کے مصر بھیج دیا' لیکن 1839ء میں وہ مصر سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور الدحاء' القصیم اور العارض پر قابض ہو گیا۔

(9) خالد بن سعود (1839-1841ء)

ابراہیم پاشا سے جنگ کے بعد اُس نے مصر میں پرورش پائی تھی۔ اُس نے محمد علی پاشا کی مدد سے 1835ء میں فیصل بن ترکی پر حملہ کیا اور 1838ء میں اُس پر فتح پائی اور امام مسقط سے بھی خراج کا مطالبہ کیا۔ 1840ء میں مصری فوجوں کی واپسی کے بعد عبداللہ بن ثنیان نے اُسے 1841ء میں ریاض سے نکال دیا۔ اس کے بعد حالات اس کے خلاف ہو گئے اور 1841ء ہی میں دمام' پھر کویت اور وہاں سے مکہ ہوتا ہوا جدہ چلا گیا' جہاں 1864ء میں فوت ہو گیا۔

(10) عبداللہ بن ثنیان (1842-1843ء)

پہلے اس نے خالد بن سعود کی اطاعت کر لی تھی' لیکن پھر مخالف ہو گیا۔ وہ محض ایک سال ہی حکومت کر پایا تھا کہ فیصل بن ترکی نے' جو 1841ء میں رہائی حاصل کر چکا تھا' ریاض میں اس کا محاصرہ کر کے اُسے قید کر لیا اور قید خانے ہی میں اُس نے 1843ء میں وفات پائی۔

(11) فیصل بن ترکی (1843-1865ء)

یہ فیصل بن ترکی کا دوسرا دورِ حکومت ہے۔ اُس نے اپنے عاقلانہ اور امن پسند تدبر سے اپنے خاندان کی حکومت نجد میں قائم کر لی۔ اُس کے زمانے میں جبل شمر کے حاکم ابن رشید نے' جو اُس کے حلیف تھے' اُبھرنا شروع کیا۔ مصر اور ترکی کے ساتھ خوشگوار اور دوستانہ تعلقات استوار کیے۔ 1865ء میں ریاض میں ہیضے سے مر گیا۔ آخری عمر میں اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے: عبداللہ' محمد' سعود اور عبدالرحمٰن۔

(12) عبداللہ بن فیصل (1865-1871ء)

پہلا دورِ حکومت۔ اپنے والد کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ 1871ء میں اس کے بھائیوں نے مل کر اسے مسند سے اُتار دیا۔

(13) سعود بن فیصل (1871-1874ء)

اس کے عہدِ حکومت کے آغاز میں عثمانی ترکوں نے اس کے بھائی عبداللہ کی دعوت پر' جو جلاوطن

تھا' الاحساء اور قطیف پر قبضہ کر لیا' اور سعود کی کوششوں کے باوجود ترک ان پر قابض رہے۔

(14) عبداللہ بن فیصل (1874-1884ء)

دوسرا عہد حکومت۔ اپنے بھائی سعود کی وفات پر اُس نے دوبارہ تخت حاصل کر لیا اور محمد اور سعود کے بیٹوں کے علی الرغم' جو اُس کے دعوے دار تھے' وہ اس پر قابض رہا۔ 1883ء میں حائل کے حکمران محمد بن رشید سے اس کی جنگ چھڑ گئی اور اُس کے بھتیجوں یعنی سعود بن فیصل کے بیٹوں نے اسے 1884ء میں دوبارہ جلاوطن کر دیا۔

(15) محمد بن سعود (1884ء)

اس کی حکومت صرف چند ماہ باقی رہ سکی۔ اس کے بعد اس کا چچا عبدالرحمٰن بن فیصل اس کا جانشین ہوا۔

(16) عبدالرحمٰن بن فیصل (1884-1887ء)

1852ء میں پیدا ہوا اور 1928ء میں فوت ہوا۔ شاہ فیصل کا دادا تھا۔ وہ دوبار تخت نشین ہوا۔ پہلے اپنے بھائی سعود کے بعد' لیکن ایک سال کے بعد ہی اُس نے اپنے بھائی عبداللہ کے لیے تخت خالی کر دیا۔ بہرحال وہ ایک بار پھر برسر اقتدار آ گیا' لیکن محمد بن رشید نے اسے معزول کر دیا۔

(17) عبداللہ بن فیصل (1887-1888ء)

تیسرا دور حکومت۔ 1888ء میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد ریاض حائل کی ماتحتی میں آ گیا۔ اس کے باوجود کہ عبدالرحمٰن نے خالی تخت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ 1881ء میں محمد بن رشید نے ریاض کو فتح کر لیا تھا۔ اُس نے 1892ء میں فیصل کے تیسرے بیٹے محمد بن فیصل کو ریاض کا امیر مقرر کیا۔

(18) محمد بن فیصل (1892ء)

1892ء میں ریاض کا امیر مقرر ہوا۔ اس کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ محمد بن فیصل کے بعد ریاض پر ابن رشید کے عمال کی حکومت رہی۔

(19) عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن (1906-1953ء)

''ابن سعود'' کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ 1880ء میں ریاض میں پیدا ہوئے اور 9 نومبر 1953ء کو وفات پائی۔ انہیں موجودہ مملکت السعودیہ العربیہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کے والد عبدالرحمٰن بن فیصل صرف ریاض کے حکمران تھے' جن کو محمد بن رشید نے معزول کر کے 1887ء میں عبداللہ بن فیصل کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد حکومت ابن رشید کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

1892ء میں انہوں نے فیصل کے تیسرے بیٹے محمد کو ریاض کا امیر مقرر کر دیا اور عبدالرحمٰن اپنے خاندان کے ہمراہ کویت کے حکمران شیخ مبارک کے ہاں چلے گئے۔

1902ء میں عبدالعزیز نے اپنے والد کا تخت حاصل کرنے کی کوشش کی اور دوسو آدمیوں کے ہمراہ ریاض میں داخل ہو کر حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ابن رشید کی حمایت میں ترکوں نے اپنی فوج بھیج دی۔ مختلف مقامات پر جھڑپیں ہوتی رہیں۔ بالآخر 1906ء میں محمد بن رشید کی وفات کے بعد عبدالعزیز ابن سعود کی راہ میں مزید مزاحمت باقی نہ رہی۔

اگلے کئی برس عبدالعزیز نے نجد کے اکثر علاقوں کے نظم ونسق میں گزارے۔ انہوں نے قبائلی نظام کا خاتمہ کرنے کے لیے عرب قومیت کا نعرہ پروان چڑھایا اور ''اخوان'' نام کی مختلف بستیاں قائم کیں' جہاں عدل وانصاف کے لیے شریعت نافذ کی گئی۔ یہ سب کچھ وہابی مسلک کی رو سے کیا گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر مکہ میں حجاز کی سلطنت کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ شریف مکہ حسین ابن علی نے انگریزوں کی شہ پر قصبہ خرما کو قبضے میں لینے کی کوشش کی' جس کے نتیجے میں اس کی جھڑپ عبدالعزیز کے ساتھ ہوئی۔ یہ جھڑپیں بڑھتی گئیں' جن میں حسین کو ناکامیوں کا منہ دیکھنا پڑا اور وہابی فوجیں حجاز کے مختلف شہروں پر قابض ہوتی چلی گئیں۔ ستمبر 1924ء میں وہابیوں نے طائف پر قبضہ کر لیا۔ حسین اپنے بیٹے علی کے حق میں دست بردار ہو گیا' جو وہابیوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے پیش نظر مکہ سے فرار ہو گیا۔ دسمبر 1924ء میں عبدالعزیز مکہ میں داخل ہوئے۔ ایک سال کے بعد مدینہ بھی وہابیوں کے قبضے میں آ گیا۔

8 جنوری 1926ء کو عبدالعزیز نے بادشاہ حجاز ہونے کا اعلان کیا اور ''ابن سعود'' کا لقب اختیار کیا۔ 20 مئی 1927ء کو برطانیہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا' جس کی رو سے برطانیہ نے مملکت نجد وحجاز کو تسلیم کر لیا۔ 1932ء میں اس مملکت کا نام ''سعودی عرب'' رکھا گیا۔ 1937ء میں یمن کے ساتھ بھی ایک معاہدہ ہوا' جس کی رو سے دونوں مملکتوں نے اپنی اپنی سرحدوں کا تعین کیا۔ اسی طرح کا ایک دوستانہ معاہدہ 1942ء میں شیخ کویت سے بھی ہوا۔ 1950ء میں عبدالعزیز ابن سعود نے اپنی تخت نشینی کا پچاس سالہ جشن منایا۔ تین برس کے بعد 1953ء میں مکہ میں وفات پائی۔

(20) سعود بن عبدالعزیز (1953-1964ء)

1905ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد عبدالعزیز ابن سعود کی وفات کے بعد 1953ء میں تخت نشین ہوئے اور فیصل بن عبدالعزیز نے ولی عہد کی حیثیت سے وزارتِ خارجہ کا قلم دان سنبھالا۔ نومبر 1964ء میں معزول ہوئے۔

(21) فیصل بن عبدالعزیز (1964-1975ء)

1906ء میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی سعود کی معزولی پر نومبر 1964ء میں تخت نشین ہوئے۔ اس وقت وہ حجاز کے گورنر اور سعودی عرب کے وزیر خارجہ تھے۔ ان کی شخصیت بڑی پر اثر اور قابل توجہ رہی۔ بین الاقوامی سیاست میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ 1964ء میں عرب اسرائیل جنگ میں امریکہ اور اس کے حلیفوں کا تیل بند کر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ اُمت اسلامیہ کے اتحاد کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے 1966ء میں پاکستان کا دورہ کیا اور یہاں ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ 22 فروری 1974ء کو لاہور میں جو اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی' اس کے مرکزی قائد شاہ فیصل ہی تھے۔ اسلامیانِ عالم نے اُن سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں' لیکن فرشتۂ اجل نے انہیں مہلت نہ دی۔ 25 مارچ 1975ء میں ان کے بھتیجے فیصل نے ذاتی رنجش کی بنا پر انہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔ بعد ازاں قاتل کو بھی سزائے موت دی گئی۔ اہل پاکستان شاہ فیصل سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے احترام میں لائل پور کا نام بدل کر ''فیصل آباد'' رکھ دیا گیا اور دارالحکومت میں عالی شان فیصل مسجد تعمیر کی گئی۔

(22) خالد بن عبدالعزیز (1975-1982ء)

1903ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے دونوں بھائیوں سعود اور فیصل کے رفیق کار رہے۔ 1939ء میں فلسطین کے مسئلے پر لندن میں جو کانفرنس ہوئی' اس میں شریک ہوئے' لیکن کچھ عرصے کے بعد سیاست ترک کر دی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ 1925ء میں انہیں مجلس وزراء کا نائب صدر مقرر کیا گیا۔ 25 مارچ 1975ء کو جب شاہ فیصل کو شہید کر دیا گیا تو انہوں نے زمامِ اقتدار سنبھالی۔ 12/اکتوبر 1976ء کو انہوں نے اسلام آباد میں شاہ فیصل مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اپنی وفات تک عالمِ اسلام کی ترقی کے لیے شبانہ روز محنت کرتے رہے۔ اسی بناء پر انہیں عالم اسلام میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ 13 جون 1982ء کو حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے انتقال ہوا۔

(23) فہد بن عبدالعزیز (1982-1996ء)

خالد بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد شاہ فہد بن عبدالعزیز تخت نشین ہوئے۔ انہوں نے 1996ء میں اپنی علالت اور آرام کی غرض سے اقتدار ولیٔ عہد شہزادہ عبداللہ کے سپرد کر دیا۔

(24) عبداللہ بن عبدالعزیز (1996ء-تا حال)

شاہ فہد کے بعد شاہ عبداللہ سعودی عرب کے موجودہ فرماں روا ہیں۔ وہ شاہ فہد کے ولی عہد اور وزیر خارجہ تھے۔ ان کی خارجہ پالیسی شاہ فیصل مرحوم کی خارجہ پالیسی کے خطوط پر جاری ہے۔ اتحادِ ملت اسلامیہ کے زبردست حامی ہیں۔ مغرب نواز نہیں ہیں۔ oo